صفر المظفر ۱۴۴۴ھ　　September 2022

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور



دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۸ شمارہ نمبر ۵

صفر ۱۴۴۴ھ ستمبر ۲۰۲۲ء

زرِ تعاون

فی شمارہ ـــــ ۳۰/روپے

سالانہ زرتعاون ـــــ ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ـــــ ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

یومِ آزادی اور مظاہر علوم

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ہمارے ملک ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوئے ۲۰۲۲ء میں پچھتر سال مکمل ہو چکے ہیں، ابھی گذشتہ ماہ اگست میں یومِ آزادی کا چھہترواں جشن پورے ملک میں منایا گیا، اس مرتبہ ایک خاص بات دیکھنے میں یہ آئی کہ پورے ملک کے مدارس اسلامیہ نے بھی اس جشن میں بڑی دلچسپی لی اور بڑے اہتمام کے ساتھ اس موقع سے اپنے اکابر اور مدارس اسلامیہ کے پروردہ اصحابِ عزیمت کی جذبۂ حب الوطنی کو خراج تحسین پیش کیا، انگریزی سامراج اور ان کے جابرانہ وظالمانہ نظام سے برسرِ پیکار ہونے کی ان کی پوری تاریخ عوام کے سامنے بیان کی اور ان کے زریں کارناموں سے آگاہی دی۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں تحریکِ آزادی میں مظاہر علوم اور علماء مظاہر علوم کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی، اس پروگرام کی خوش آئند بات یہ رہی کہ اس میں سرکاری افسران اور اعلیٰ حکام میں سے ڈی آئی جی رینج سدھیر کمار، ایس ایس پی وپن ٹاڈا، ڈی ایم اکھلیش سنگھ، سٹی کمشنر وغیرہ کی ایک بڑی تعداد موجود رہی، اور سب نے اس بات کا برملا اظہار کیا کہ ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں خاص طور سے مدارس کے لوگوں کی قربانیوں اور کارناموں کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

اس موقع سے اعلیٰ سرکاری آفیسران نے مظاہر علوم کا بھی معائنہ کیا، یہاں کی لائبریری اور اس کے تعلیمی وتربیتی شعبوں کو دیکھنے کے بعد یہاں کے حسنِ انتظام کی تعریف کی۔

اس موقع سے مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری کا لکھا ہوا خطبہ افتتاحیہ جسے عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی نے پروگرام میں پڑھ کر سنایا وہ تحریک آزادی اور مظاہر علوم کے عنوان سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس خطبہ میں مولانا محمد شاہد صاحب نے تاریخی اور دستاویزی حوالوں سے یہ ثابت کیا کہ تحریکِ آزادی میں اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند انگریزی سامراج سے برسرِ پیکار تھا

تو دوسری طرف مظاہر علوم کی خدمات بھی اس سلسلہ میں کچھ کم نہ تھیں، چنانچہ مولانا لکھتے ہیں کہ:

۱۸۵۷ء کے زبردست خونی انقلاب کو ابھی گنے چنے چند سال ہی گذرے تھے کہ ماہ محرم ۱۲۸۳ھ مئی ۱۸۶۶ء میں دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی، اور اس کے صرف چھ ماہ بعد رجب ۱۲۸۳ھ نومبر ۱۸۶۶ء میں سہارن پور میں مظاہر علوم قائم کیا گیا، دیوبند اور سہارنپور کے یہ دونوں ادارے اس زمانہ کے زبردست عالمانِ دین نے انگریزی حکومت کے ایک جابر اور قاہر وزیر لارڈ میکالے کے اس اعلان کے جواب میں قائم کئے تھے، جس میں اس نے ہندوستان کے تمام عوام خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان کو اپنے اپنے دین ودھرم سے نکال کر عیسائیت میں لانے کا ان الفاظ میں اعلان کیا تھا۔

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانا چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر سوجھ بوجھ اور رائے اور الفاظ کے اعتبار سے انگریز ہو''۔

لارڈ میکالے کے اس اعلان کا دیوبند میں دارالعلوم اور سہارنپور میں مظاہر علوم قائم کر کے اس طرح جواب دیا گیا کہ: ''اب ہم ایک ایسی جماعت بنائیں گے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن مزاج اور سوجھ بوجھ کے اعتبار سے اسلامی ہوگی''۔

اور پھر نہ صرف یہ دو ادارے قائم ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ ان کے نقش قدم پر ہزاروں ادارے اور مدرسے قائم ہوتے چلے گئے۔

اس مظاہر علوم کی بنیاد رکھنے اور اس کے ابتدائی دور کے مخلص خادموں میں ان تین بڑے علماء کا نام جگہ جگہ لکھا ہوا ہے:

(۱) حضرت مولانا سعادت علی سہارن پوریؒ (۲) حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ

(۳) حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹویؒ

تاریخ حریت کی شہادت یہ ہے کہ ان تینوں صاحبان کا آزادیٔ ہند کی لڑائی میں بہت گہرا اور مضبوط کردار رہا ہے۔ یہ حضرات ہر وقت انگریزوں کے تعاقب میں رہتے، اور خود انگریزی حکومت بھی ہر وقت ان پر وار کرنے اور ہاتھ ڈالنے کی تدبیریں سوچتی رہتی تھی۔

☆ چنانچہ مولانا سعادت علی انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین اور برادران وطن کے لیے مالیات کی فراہمی، سہارن پور اور اس کے قرب وجوار میں بے خوف وخطر ہو کر کیا کرتے تھے، یہ کام جتنا ضروری تھا اُتنا ہی خطرناک بھی تھا۔ ہر وقت راز فاش ہونے کا ڈر رہتا تھا۔

☆ چنانچہ ایک دن یہ راز کھل ہی گیا اور ۱۵ر فروری ۱۸۶۹ء میں دہلی پولیس نے ایک

انگریز مجسٹریٹ مسٹر کاسٹیفن کی عدالت کو جو معلومات و اطلاعات فراہم کیں، اس میں مولانا سعادت علی سہارنپوری کو بھی نامزد شریک جرم ٹھہرایا اور پھر انسپکٹر دہلی پولیس بابوایشری پرشاد نے مولانا سعادت علی موصوف کے خلاف وارنٹ حاصل کئے اور سہارن پور پہنچ کر آپ کے مکان کی ایک ایک چیز کو کنگھال کر تلاشی لی، آپ کے مکان سے مجاہدین آزادی کی طرف سے لکھے گئے خطوط اور ہدایت نامے موصول ہوئے۔ ان خطوط کا تعلق تحریک آزادی اور اس کے لیے حاصل ہونے والی مالیات سے تھا۔ ۱۸۷۰ء میں اس مرد مجاہد نے وفات پائی۔

☆ اسی طرح مولانا مظہر نانوتویؒ جو بعد میں اسی مظاہر علوم کے مہتمم (پرنسپل) بھی رہے، وہ مظاہر علوم قائم ہونے سے چند سال قبل شاملی و تھانہ بھون کے میدانِ جہاد میں پوری قوت اور دلیری کے ساتھ انگریزی افواج سے آمنے سامنے لڑے، اس موقع پر آپ کے پاؤں میں گولی لگی جس سے ٹانگ ہمیشہ کے لیے ایسی زخمی ہوئی کہ زندگی بھر چلنے پھرنے میں تکلیف رہی۔ اس جہاد شاملی میں اگر انگریز آپ کو گرفتار کر لیتے تو یقینا بغاوت کے جرم میں آپ کو گولی ماردی جاتی، یا تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ اکتوبر ۱۸۸۵ء میں آپ نے وفات پائی۔

☆ تیسرے بزرگ اور عالم دین حضرت مولانا خلیل احمد انبہٹوی ہیں جو اسی مظاہر علوم کے پڑھے ہوئے تھے اور بعد میں یہاں مہتمم (پرنسپل) بنائے گئے۔ آپ نے ہر ہر قدم پر انگریزوں سے لوہا لیا اور زندگی بھر ان تمام ملی و قومی تحریکوں کو طاقت اور قوت پہنچاتے رہے جو ملک کی آزادی کے لیے کھلم کھلا یا زیرزمین کام کررہی تھیں۔

سہارن پور میں مولانا خلیل احمد اور دیوبند میں مولانا محمود حسن شیخ الہند کا زمانہ ایک ہے، ان دونوں حضرات میں گہرا ربط اور مکمل طور پر ذہنی وفکری تعلق تھا۔ چنانچہ مشہور ومعروف ریشمی رومال تحریک کی مکمل منصوبہ بندی کے لیے مولانا محمود حسن، جامعہ مظاہر علوم تشریف لاتے رہے، اور دونوں حضرات نے پوری یکسوئی اور پوری رازداری کے ساتھ جامعہ مظاہر علوم میں بیٹھ کر یہ اسکیم تیار کی، آزادئ ہند کی تاریخ میں ریشمی رومال تحریک نے بڑی شہرت حاصل کی، اور یہ ہی وہ تحریک ہے جس کے نتیجہ میں انگریزوں نے سزا کے طور پر حضرت شیخ الہند کو گرفتار کر کے مالٹا میں قید کیا اور مولانا خلیل احمد کو قیدی بن کر نینی تال جیل جانا پڑا۔

اسی طرح مظاہر علوم کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا الحسنی نے لکھا ہے کہ انگریزی دورِ اقتدار میں مختلف مواقع پر یہاں کے علماء ومفتیانِ کرام کی جانب سے انگریزی حکومت کے خلاف شرعی اصولوں کی روشنی میں ایسے فتاوی اور دینی، شرعی اور ملی رہنمائی ملتی رہی ہے جس کی وجہ سے مسلمانان ہند کے دین وعقیدہ کی

حفاظت ہوئی اور انگریزی تختِ حکومت کی چولیں ہل گئیں۔

مولانا الحسنی نے لکھا کہ:

آزادی کی لڑائی کے اس طویل عرصہ میں وقت وقت پر مدرسہ مظاہر علوم سے ایسے ایسے فتاویٰ، پیغامات اور احکامات جاری ہوتے رہے جس سے آزادی کی لڑائی کو زبردست قوت و طاقت ملتی رہی اور انگریزی حکومت ان فتاویٰ اور پیغامات کو پڑھ کر اور سن کر آگ بگولہ ہوجایا کرتی تھی۔ چنانچہ !

(۱) جب نومبر ۱۹۱۸ء میں انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی کامیابی کا ایک جشن منعقد کرنا چاہا اور مسلمانانِ ہند کو اس میں شریک ہونے کی دعوت دی تو علماء مظاہر علوم نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا:

''جو لوگ اپنی ذاتی خوشی اور قلبی محبت سے شریک ہوتے ہیں تو ایسے لوگ صرف گنہگار ہی نہیں بلکہ ان کے کفر کا اندیشہ ہے''۔

(۲) ایسے ہی ۱۹۲۱ء میں جب انگریزی فوج میں مسلمانوں کے بھرتی ہونے پر مظاہر علوم سے فتویٰ یعنی مذہبی رائے معلوم کی گئی تو علمائے مظاہر علوم کا جواب یہ تھا کہ:

''انگریزی فوج میں ملازمت قطعاً حرام ہے اور اس ملازمت کے زمانہ میں اگر کوئی مسلمان فوجی حج بھی کرے گا تو وہ بھی قبول نہیں ہوگا، اور نہ ہی اس پر کچھ ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس کا یہ سفر گناہ کا سفر تھا''۔

(۳) ایسے ہی مئی ۱۹۳۵ء میں جارج پنجم کی تخت نشینی پر جب مساجد میں سجاوٹ اور روشنی کا حکم سرکاری عہدہ داران نے دیا تب علمائے مظاہر علوم کا یہ فیصلہ سامنے آیا کہ:

''یہ خوشی منانا اور اس میں روشنی وغیرہ کرنا اور اس پروگرام میں شریک ہونا گناہ ہے۔ ایسے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے''۔

ان تاریخی اور ناقابلِ تردید حقائق کو سن کر سرکاری آفیسران اور معززین شہر کو ملک وملت کے لئے مظاہر علوم کی خدمات سے واقفیت ہوئی، جس کا اظہار ان حضرات نے اجلاس کے آخر میں اپنے تأثراتی بیان میں بھی کیا۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ تحریک آزادی میں ہمارے علماء کی جاں سپاری اور عزم و ہمت کی جو تاریخ ہے اسے سامنے لایا جائے، سلیم طبیعتیں اب بھی حقائق کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، اس سے ملک میں جو منافرت اور مذہبی تعصب کا ماحول ہے وہ یقیناً ختم ہوگا اور امن و امان کی فضاء میں ملک ترقی کرے گا۔

درسِ قرآن

ایک بری خصلت

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

لَاتَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَا اَتَوْا وَيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ (سورہ آل عمران،۱۸۱)

جولوگ ایسے ہیں کہ اپنے کام پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام نہیں کیا ہے اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو، سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ عذاب سے بچاؤ میں رہیں گے، اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح وتوضیح

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود اور منافقین کی ایک بری خصلت کا ذکر فرما کر اس پر عذاب الیم کی وعید سنائی ہے۔ یہ خصلت چونکہ خاص طور پر یہود اور منافقین میں پائی جاتی تھی، اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے آیا ہے، ورنہ درحقیقت یہ خصلت ہی محل وعید ہے، اور مسلمانوں کو بھی بڑے اہتمام سے اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ اللہ کا یہی حکم ہے، اور اسی کے مطابق ہر مسلمان کی دعا ہے کہ جس قوم پر اللہ کا غضب ہوا ہے، اس راستے سے اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے ہی رکھیں، تو جو آیت یہود اور منافقین کو ان کی کسی عادت بد پر دھمکی سنا رہی ہو، مسلمان یہ کہہ کر مطمئن نہیں ہوسکتے کہ یہ بات ہم کو نہیں کہی گئی ہے۔ قرآن جو اہل تقویٰ کے لئے نسخۂ ہدایت ہے اس کی کسی آیت سے مسلمان صرف اس لئے کیوں کر صرف نظر کرسکتا ہے کہ اس میں فلاں قوم کا ذکر ہے، وہ آیت ملاحظہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے۔

اس آیت کی تشریح میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہود غلط مسئلے بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبرں کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا، اور امید رکھتے ہیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ

بڑے عالم اور دین دار حق پرست ہیں۔ دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا، گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے، اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی، جب حضور جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپ سے اپنی تعریف کرائیں، ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں، اول تو ایسے لوگ دنیا میں فضیحت ہوتے ہیں، اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔

(تنبیہ) اس آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے، لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں، اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں‘‘

اس اس آیت پر اور اس کے مضمون پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے اور ہم اسلام کے نام لیواؤں کو دیکھنا چاہئے کہ ہمارے افراد میں اور ہمارے اجتماعی معاشرہ میں یہ مرض پھیلا ہوا تو نہیں ہے؟ انفرادی طور پر ہمارا یہ حال دیکھنے میں آرہا ہے کہ آدمی گناہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتا ہے، کسی نے کسی کو ستایا، اس کا مال دبایا، کسی کی زمین غصب کی، کاروبار میں کسی کو دھوکہ دیا، قرض لیا اور ادا کرنے میں ٹال مٹول کیا، یا بالکل ہی ادا نہیں کیا، نماز کو ترک کیا، روزہ سے جان بچائی، زکوٰۃ کا مال ہضم کرلیا، یہ سب وہ گناہ ہیں، جن کے گناہِ کبیرہ ہونے میں کسی مسلمان کو تردد نہیں ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ ان پر شرمندگی تو کیا ہوتی ؟ان کے کرنے پر آدمی جھینپتا تو کیا؟ الٹے ان پر فخر کیا جاتا ہے، اپنی چالاکی اور عقلمندی کی شہادت انھیں سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات کوئی اکادکا واقعات کی صورت میں نہیں ظاہر ہوتی، بلکہ اس کا عام چلن ہے۔

اور اجتماعیت کا حال دیکھئے تو اور بھی دگرگوں ہے۔ آج کل اجتماعیت نام ہے تنظیموں کا، جماعتوں کا، انجمنوں کا، اداروں کا، مکاتب فکر کا، یہاں سیاسی پارٹیوں اور بے دینی کے جتھوں کا ذکر نہیں ہے، ان اداروں اور جماعتوں کا ذکر ہے، جو مسلمانوں کی خدمت کیلئے ان کی صحیح رہنمائی کیلئے قائم ہوئی ہیں، ان کی تحریریں پڑھئے، ان کی تقریریں سنئے، کیا ان میں یہ مرض نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ الٹا سیدھا جو کام ان سے وجود میں آتا ہے چاہے وہ مسلمانوں کے حق میں مضر ہی ہو، خواہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح نافرمانی ہی ہوتی ہو، لیکن ان پر تحریراً و تقریراً خوشی بلکہ فخر کا اظہار کیا جاتا ہے اور جو کام نہیں کیا ہے، امیدوار رہتے ہیں کہ ان پر ان کی مدح وستائش ہوگی، بلکہ اب تو اس کا بھی انتظار نہیں ہوتا کہ دوسرے ہمارے کئے

کاموں پر ہماری مدح سرائی کریں۔بھلا اس کا انتظار کون کرے۔ہمارا اجتماعی معاشرہ اس سے ترقی کرکے خود ہی اپنی مدح وستائش کا راگ الاپتا ہے،اور نام اس خودستائی کا ''تعارف'' رکھا جاتا ہے،اور یہ تاویل کی جاتی ہے زمانہ تشہیر و پروپیگنڈے کا ہے،اس کے بغیر کام اور نام دب جاتا ہے،ممکن ہے یہ تاویل کسی حد تک درست ہو،لیکن غور کرنے والے غور کریں کہ کہیں یہ یہود ومنافقین کی پیروی تو نہیں ہے؟ بالخصوص اس وقت جب کہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے، کہ بہت سے ادارے، بہت سی انجمنیں ان خوبیوں سے خالی ہوتی ہیں،ان کا اندرونی نظام خود ان کے کارکنوں کیلئے باعث مصیبت بنا ہوتا ہے،وہ خود تفرق وانتشار کا شکار ہوتی ہیں۔ان کی بے عملی اور ناکارگی کی شکایتیں عام ہوتی ہیں،لیکن جب تعارف شائع ہوگا تو اس طرح شائع ہوگا کہ جیسے دین کی اور مسلمانوں کی خدمت ان کے علاوہ کسی اور جانب سے ہوتی ہی نہیں، کتنے مکاتب فکر ہیں ،جو اپنی ظاہری وباطنی غلطیوں کے باوجود خود کو معصوم ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں،یہ صورت حال خودستائی اور اپنی مدح سرائی کی بہت تشویشناک ہے،اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔هُوَ أَعْلَمُ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى (النجم،۳۲)تم کو وہ خوب جانتا ہے جب بنا نکالا تم کو زمین سے،اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں،سومت بیان کرو اپنی خوبیاں،وہ خوب جانتا ہے،اس کو جو بچ کر نکلا۔(ترجمہ شیخ الہند)

یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو،اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ وہ سب کی بزرگی اور پاکیزگی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا،آدمی کو چاہئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے جس کی ابتدا مٹی سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا،اس کے بعد کتنی جسمانی وروحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا،آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہونچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں،جو واقعی متقی ہوتے ہیں،وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہوجانا بشریت کے حد سے باہر ہے،کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہوجاتی ہے الا من عصمہ اللہ(فوائد عثمانی)

یہ بات جس طرح ایک فرد کے حق میں صحیح اور قابل غور ہے،اسی طرح اجتماعی اداروں کے اوپر بھی منطبق اور ان کیلئے لائق توجہ ہے۔واللہ ولی التوفیق

انوارِ حدیث

دوسری قسط

محبوبِ رسولِ خدا

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عن عمر أنه فرضَ لأسامة في ثلاثة آلاف و خمس مائة و فرض لعبد الله بن عمر في ثلاثة آلاف ، فقال عبدالله بن عمر لأبيه لِمَ فَضَّلْتَ أسامة عليَّ فو اللهِ ما سَبَقَنِي إلى مشهد ، قال : لأن زيداً كان أحبَّ إلى رسولِ الله صلى الله عليه وسلم من أبيك ، و كانَ أسامةُ أحبَّ إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم منك ، فآثرتُ حُبَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم على حُبِّي (رواه الترمذي في أبواب المناقب ۲/ ۲۲۱ ، وقال: حسن غريب)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا عطیہ تین ہزار پانچ سو مقرر کیا اور عبداللہ بن عمرؓ کا تین ہزار، تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے والد (حضرت عمرؓ) سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو میرے اوپر کیوں ترجیح دی جب کہ اس نے بخدا کسی غزوہ میں مجھ سے پہل نہیں کی، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ اس لئے کہ زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہارے باپ سے زیادہ محبوب تھے اور اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے، تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف:

حضرت اسامہؓ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کا علم سبھی کو تھا، اس کا اظہار جا بجا ہوتا رہتا تھا، اس لئے بہت سے اہم مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی سواری پر سوار کرتے اور بعض مرتبہ ان کا انتظار بھی کرتے، چنانچہ فتحِ مکہ کے دن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت اسامہؓ آپ کے ردیف (آپ ہی کی سواری پر پیچھے سوار) تھے، آپ نے کعبہ کے سایہ میں اپنی سواری بٹھائی اور کعبہ شریف کے اندر داخل ہوئے تو حضرت بلال اور حضرت اسامہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔

حجۃ الوداع میں بھی عرفہ سے واپسی میں حضرت اسامہ آپ کے ردیف تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کی وجہ سے ان کے انتظار میں عرفات سے واپسی میں دیر کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو بھی رکنا پڑا، اتنے میں ایک چپٹی ناک والا کالا لڑکا آیا یہ دیکھ کر یمن کے لوگوں نے (حقارت سے) کہا کہ اسی کی وجہ سے ہمیں رکنا پڑا تھا، اور بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یمن کے لوگ اسی وجہ سے مرتد ہو گئے تھے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو ہلکا اور حقیر سمجھا (طبقات ابن سعد ۴/ ۶۳-۶۴)

ذُوْ یَزَن کا جوڑا:

حکیم بن حزام نے صلح حدیبیہ کے بعد اپنے اسلام قبول کرنے سے قبل ذو یزن بادشاہ کا جوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا جسے پچاس دینار (سونے کے سکے) میں خریدا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم مشرک کی طرف سے قبول نہیں کرتے لیکن جب تم نے اسے بھیجا ہے تو ہم قیمت دے کر اسے لے لیں گے، کتنے میں تم نے اسے لیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ پچاس دینار میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے لیا اور پھر اسے زیب تن فرما کر جمعہ کے لئے منبر تشریف فرما ہوئے اور پھر منبر سے اترے تو یہ جوڑا حضرت اسامہ کو پہننے کے لئے دے دیا (طبقات ابن سعد ۴/ ۶۵)

علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (۲/ ۵۰۴) میں یزید بن عیاض (جو ضعیف راوی ہیں) سے نقل کیا ہے کہ یہ جوڑا تین سو دینار کا تھا، اور مزید یہ بھی نقل کیا ہے کہ حکیم بن حزام نے جب یہ جوڑا اسامہ بن زید کو پہنے ہوئے دیکھا تو حیرت واستعجاب سے کہنے لگے "واہ اسامہ! واہ! تمہارے اوپر ذو یزن کا جوڑا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انھیں جواب دو کہ میں اسے کیوں نہیں پہن سکتا جب کہ میں ذو یزن سے بہتر ہوں اور میرے باپ ذو یزن کے باپ سے بہتر ہیں۔

نفل روزے کا اہتمام:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سال میں صرف ایک مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھا کرتا تھا، اس کا تذکرہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم شوال کے روزے سے کہاں ہو؟ یعنی شوال کا روزہ رکھا کرو۔

پھر تو حضرت اسامہ کا حال یہ ہو گیا تھا کہ عید الفطر کا دن گزرتے ہی اگلے دن سے شوال کا روزہ شروع

فرمادیتے اور مہینہ کے ختم تک روزہ رکھتے۔

حضرت اسامہ کے ایک آزاد کردہ غلام کا بیان ہے کہ آپ وادیٔ قریٰ میں اپنے مال وجائداد کی دیکھ بھال کے لئے سوار ہوکر جایا کرتے تھے، توسفر کے دوران دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا کہ اس پیرانہ سالی اور کمزوری میں سفر کے دوران بھی آپ دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے ہیں؟ تو جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ دوشنبہ اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۵۰۶)

ایک دعا

ابوسعید خدری رضؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور ابو امامہ انصاری رضؓ کو مسجد میں بیٹھا ہوا دیکھ کر پوچھا ابو امامہ! اب نماز کا وقت تو ہے نہیں پھر کیا بات ہے اس وقت مسجد میں کیسے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ذمہ بہت سا قرض ہے جس کی وجہ سے میں غمگین بیٹھا ہوں، حضور نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ سکھادوں جب آپ اسے پڑھیں گے تب آپ کا غم بھی دور ہوجائے گا اور آپ کا قرض بھی اللہ تعالیٰ ادا کرادیں گے، عرض کیا یارسول اللہ! ضرور بتادیجئے، فرمایا: صبح شام یہ دعا پڑھ لیا کرو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ۔

(ابوداؤد، رقم۔ ۱۰۰۰)

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس کو پڑھا تو اللہ نے میرے سارے ہموم وغموم دور کردئے۔

تعمیرِ حیات

اپنی جان اور اپنی اولاد سے بڑھ کر...!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پیغمبر اسلام جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صرف مسلمانوں کے ایمان ہی کا مرکز نہیں ہیں؛ بلکہ مسلمانوں کی محبت اور تعظیم وتوقیر کا بھی مرجع ہیں، اگر کسی مسلمان کے ماں باپ کو گالی دے دی جائے تو اس کا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا عشر عشیر بھی زخمی نہیں ہوتا، مسلمان دینی اعتبار سے کس قدر بھی گیا گزرا ہو، بے نمازی ہو، شراب نوشی اور سود خوری میں مبتلا ہو اور کوئی بڑا سے بڑا گناہ کرتا ہو، غیرت ایمانی اس کو ان بڑے بڑے گناہوں سے روک نہیں پاتی، تب بھی حضور کی شان میں گستاخی اس کو تڑپا دیتی ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی عزیز ترین جان، اپنے محترم ماں باپ اور اپنی متاع زندگی اولاد کو قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اس محبت وعظمت کی مذاہب کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسی علیہ السلام کو رُو در رُو کہہ دیا تھا کہ تم جاؤ، تمہارے رب جائیں اور دشمن سے مقابلہ کریں، ہم تو اس میں شریک نہیں ہو سکتے: **اذھب انت و ربک فقاتلا إنا ھٰھنا قاعدون** (المائدہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بائبل کے بیان اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق سرِ عام پھانسی دے دی گئی؛ لیکن امت عیسوی کا کوئی فرد اُن کو بچانے کے لیے آگے نہیں بڑھا؛ مگر امت محمدیہ کی تاریخ اس سے بالکل مختلف ہے۔

اس محبت کا منظر دیکھنا ہو تو آئیے اصحاب رسول کی مجلس میں، یہ حضرت سعد بن ربیعؓ ہیں، زخم سے چور ہیں، ایک دو نہیں، بارہ بارہ تیر نے جسم کو چھلنی کر دیا ہے، اسی حالت میں میدان اُحد کے کسی کونے میں پڑے ہوئے ہیں، نظر پڑی حضرت ابی ابن کعبؓ پر، زندگی کی اس آخری سانس میں اپنے بیوی بچوں کے لیے کوئی پیغام نہیں دیا؛ بلکہ فرمایا: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنا تو میرا اسلام پہنچانا اور میری کیفیت بتا دینا اور ہاں، میری قوم سے کہہ دینا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان چلی جائے اور قوم کا

ایک فرد بھی زندہ بچا ہوا ہو تو اللہ کے سامنے کوئی معذرت قبول نہیں ہوگی: **وأخبر قومک إنه لا عذر لهم عند الله إن قتل رسول الله صلی الله علیه وسلم وواحد منهم حيّ** (موطا مالک، کتاب الجہاد)

لوگوں کی بھیڑ جمع ہے، اس میں چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی، تیاری ہے حضرت زید بن دثنہؓ کے قتل کی، غزوہ بدر کے بعض قریش مہلوکین کا بدلہ لینے کے لیے قتل کی تیاری میں ہیں، اتنے میں ایک پوچھنے والے نے پوچھا: اے زید! میں تم کو اللہ کا حوالہ دیتا ہوں، کیا تم کو اس وقت یہ بات پسند نہیں ہے کہ تم ابھی اپنے گھر والوں کے درمیان ہوتے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری جگہ میرے پاس ہوتے اور ہم ان کا سر قلم کر دیتے، حضرت زیدؓ نے بلا تامل اور برجستہ فرمایا: ہرگز نہیں، خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کانٹا چبھ جائے، جس سے ان کو تکلیف ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے درمیان بیٹھا رہوں، ابو سفیان اس مجمع میں موجود تھے، جو اہل مکہ کے قائد تھے اور اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، وہ کہنے لگے: خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رفقاء آپ سے جس قدر محبت کرتے ہیں، میں نے کسی قوم کو کسی سے اس درجہ محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا: **ما رأيت من الناس أحدا يحب كحب أصحاب محمد محمدا صلی الله علیه وسلم** (طبقات ابن سعد)۔

قبیلہ بنو دینار کی ایک خاتون غزوہ احد میں بڑی مصیبت سے گزریں، یکے بعد دیگرے ان کے شوہر، ان کے بھائی اور ان کے والد کی شہادت کی اطلاع دی گئی، وہ إنا للہ پڑھتیں، اس صدمہ پر جو فطری غم ہوتا ہے، اس کا اظہار کرتیں؛ لیکن دریافت کرتیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگ کہتے: اللہ کا شکر ہے کہ تمہاری چاہت اور خواہش کے مطابق وہ بخیر ہیں، کہنے لگیں: مجھے ایک نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے انہیں دکھایا گیا تو بے ساختہ بول اٹھیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے: **كل مصيبة بعدک جلل یا رسول الله** (سیرت ابن کثیر)۔

اسی غزوہ احد میں ایک خاتون اپنے بیٹے، والد، شوہر اور بھائی کے ساتھ پہنچیں، ایک ایک کر کے یہ سب شہید کر دیے گئے، جب لاشوں کو دیکھنے آئیں اور پوچھنے لگیں کہ یہ کون ہیں تو انہیں بتایا گیا، یہ تمہارے والد ہیں، یہ تمہارے بھائی ہیں، یہ تمہارے شوہر ہیں اور یہ تمہارے بیٹے ہیں، کہنے لگیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے ان کو آگے پہنچایا اور کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

انھوں نے بے تابانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے کو تھام لیا اور کہنے لگیں: اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (المعجم الاوسط)

ہوسکتا ہے یہ دو الگ الگ واقعات ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی واقعہ ہو، جس کو دو راویوں نے الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نقل کیا ہو۔

اللہ کی طرف سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سینے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت سے معمور کر دیا گیا تھا، وہ کہتے تھے کہ میرا سب کچھ آپ پر قربان اور یہ صرف الفاظ نہیں تھے؛ بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس جذبہ کا عکاس تھا، یہ محبت صحابہ سے امت کو میراث میں ملی ہے، واقعی ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اپنے وجود سے بڑھ کر محبت کرتا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ یہ جو بات فرمائی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنی جان، اپنے ماں باپ اور اپنی اولاد سے بڑھ کر نہ ہو، اس میں تامل ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ اولاد کی محبت بڑھی ہوئی ہو، حضرت تھانویؒ نے ان سے پوچھا بتاؤ: اگر تمہارا بیٹا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے تو تم کیا کروگے؟ وہ برجستہ کہنے لگے: میں تو اسے قتل کر دوں گا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: یہی ہے اولاد کی محبت سے بڑھی ہوئی محبت۔

ابھی جھارکھنڈ کے صدر مقام رانچی کی ایک خاتون کے اکلوتے بیٹے مدثر کو گستاخی رسول کے خلاف ہونے والے احتجاج میں شہید کر دیا گیا اور اس کی زبان سے آخری لفظ نکلا اسلام زندہ باد۔ پھر جو بات پیش آئی اس نے صحابہ کے زمانہ کی یاد تازہ کر دی، جب اس کی بوڑھی کم پڑھی لکھی ماں سے میڈیا کے نمائندہ نے ملاقات کی تو اس مومنہ خاتون نے کہا: مجھے اپنے شہید بیٹے پر فخر ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اپنی جان قربان کر دی ہے اور اسلام زندہ باد کہتے ہوئے دنیا سے گیا ہے، اسلام کل بھی زندہ باد تھا، آج بھی زندہ باد ہے اور کل بھی زندہ باد رہے گا۔

اس خاتون کا بیان سن کر میری آنکھیں واقعی نم ہوگئیں، میرے دل نے کہا کہ جس امت میں ایسی صاحب ایمان اور بلند ہمت مائیں ہوں گی، وہ امت کبھی بزدل اور کم حوصلہ نہیں ہوسکتی، وہ سمندر میں تیر کر اور

آگ کے شعلوں پر چل کر گزر جائے گی؛ لیکن اپنے ایمان کو ڈوبنے اور جلنے نہیں دے گی۔

اس وقت ضرورت ہے کہ پوری قوت اور استقامت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا جائے، مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند رکھا جائے، ان کو بزدل اور کم ہمت ہونے سے بچایا جائے، ان کے اندر عزم وحوصلہ پیدا کیا جائے، ان کے ذہن میں یہ بات راسخ کی جائے کہ مومن اپنا آخری قطرۂ لہو نچھاور کر سکتا ہے؛ لیکن ظلم وجور اور کفر وشرک کے آگے سرنگوں نہیں ہوسکتا، مسلمان وہ نہیں ہے جو پھولوں کی سیج پر چلتے ہوئے تو اللہ کا نام لے اور جب اسے کانٹوں پر گزارا جائے تو وہ اللہ کو بھول جائے، جو طرب ونشاط کے ماحول میں تو اپنے مسلمان ہونے پر فخر کرے؛ لیکن ظلم وجور کے سائے میں اپنے دین کا نام لینے سے گھبرا جائے اور مذاق اڑانے والوں کے درمیان دینی نسبت پر شرمسار ہونے لگے۔

اس ملک میں برطانوی اقتدار کے دور میں بھی اور اس کے بعد بھی مسلمان بہت سی آزمائشوں سے گزرے ہیں، انسانی خون اتنی مقدار میں بہایا گیا ہے کہ اگر ان سب کو کسی دریا میں بہا دیا جاتا تو شاید پانی کا رنگ بدل جاتا؛ لیکن ان سب کے باوجود ہمارے بزرگوں نے صبر اور ثابت قدمی کا راستہ اختیار کیا، انھوں نے مال وزر سے ہاتھ دھونا گوارا کیا، عزت وعصمت کی پامالی کا زخم بھی سہا، خون میں لت پت اپنے عزیزوں اور قرابت داروں کی لاشوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا اور خود اپنی زندگی کی قربانی دی؛ لیکن جس دین کو انھوں نے سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا یا اُن کے آبا واجداد نے قبول کیا تھا اور انہیں اپنے بزرگوں سے یہ میراث ملی تھی، انھوں نے اسے اپنے سینے سے لگائے رکھا، اسی راہ پر ہمیں چلنا ہے اور یہی ہماری منزل ہے کہ اسلام کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہمیں اپنی جان اور اولاد سے بھی بڑھ کر عزیز ہے!!!

خریدار حضرات سے

آپ حضرات کے ایڈریس کی سلیپ پر ختم مدت کی صراحت موجود ہے، برائے کرم اسے ملاحظہ کریں اور جلد از جلد ماہنامہ کا زرِ تعاون مبلغ تین سو روپے سالانہ کے حساب سے ارسال فرمائیں۔ (ادارہ)

علمی تحقیق

اِیمان کے سترّ (۷۷) شعبے

مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ** (ابراہیم: ۲۴)

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی نے کلمۂ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ (زمین میں) مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

اس آیتِ کریمہ سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ ایک تو ہے اَصل کلمۂ توحید، اور دوسری چیز ہیں اُس پر متفرع ہونے والے اعمال واقوال، اور اُس کی جڑوں سے پھوٹنے والے احوال۔ اول کا تعلق دِل کی گہرائیوں سے ہے، اور ثانی کا تعلق دِل کی پہنائیوں سے لے کر زبان اور دیگر اعضاو جوارح کی وسعتوں تک ہے۔

اسی مضمون کو ایک حدیثِ پاک میں اِس طرح بیان فرمایا گیا ہے **الإيمانُ بضعٌ وسبعونَ شعبةً، فأفضلُها قولُ "لا إله إلا الله"، وأدناها إماطةُ الأذى عن الطريق، والحياءُ شعبةٌ من الإيمان**

ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں، اور حیاء بھی ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے، اور ان شعبوں میں سب سے افضل "لا الہ الا اللہ" کا زبان سے اقرار کرنا ہے اور ادنی درجہ: راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔

ستر کے عدد سے کیا مراد ہے؟

حدیث میں مذکور **بِضعٌ وسبعونَ** (ستر سے زائد) کی تشریح میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے کثرت کے معنی مراد ہیں، تحدید وتعیین مقصود نہیں، جیسے آیت کریمہ **إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً** (التوبۃ: ۸۰) میں لفظِ "سبعین" سے بالاتفاق کثرت کے معنی مراد لیے گئے ہیں۔

علامہ طیبیؒ اسی کے قائل ہیں، وہ فرماتے ہیں: کثرت کے معنی مراد لینا بہتر ہے، کیونکہ کسی خاص

عدد کا بیان کرنا مقصود ہوتا تو شعبوں کی تفصیلات کو مبہم نہ رکھا جاتا (الکاشف عن حقائق السنن ۲/ ۴۴۰)۔

علامہ طیبیؒ کی تائید میں یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اہلِ عرب "سبع" (سات/ ۷) اور "سبعون" (ستر/ ۷۰) کا لفظ عموماً مبالغہ کے موقع پر استعمال کرتے ہیں (الکاشف، وأیضاً عمدۃ القاری ۱/ ۱۲۷)۔

تاہم دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں کثرت کے معنی مراد نہیں، بلکہ خاص عدد ہی مراد ہے، اور تین کے علاوہ بقیہ شعبوں کو مبہم رکھا گیا، اِس لیے کہ اصل مقصود ان پر اجمالاً ایمان لانا ہے، ان شعبوں کو متعین کرنا اور ان کی تفصیلات پر واقفیت حاصل کرنا ضروری نہیں۔

چنانچہ علامہ خطابیؒ، قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ایمان کے مجموعی اصول وفروع یقینی طور پر معلوم اور ثابت شدہ ہیں، اور حدیث میں مراد شعبوں کی تفصیل وتعیین شارع کے بیان کی محتاج ہے، جو ہمارے سامنے ہے نہیں، اِس لیے ان امور پر اجمالاً ہی ایمان لانا کافی ہے، جیسا کہ ملائکہ پر بھی صرف اجمالی ایمان مطلوب ہے، ان کی تفصیلات کی نہ ہم کو تحقیق ہے، نہ ہم اس کے مکلف ہیں۔

مگر بہت سے علماء نے کتاب وسنت کے الفاظ ونصوص میں غور وفکر کرنے کے بعد اِیمان کے ان شعبوں کو شمار کرنے کی بھی کوشش کی ہے، چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ:

"چوں کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ہمیشہ مفید وبامعنی بات ہی کا تکلم فرماتے ہیں اور آپ کی احادیث میں کوئی بھی حدیث غیر معلوم المعنی نہیں ہے، اِس لیے میں نے ایک طویل عرصے تک اس حدیث کے معنی میں غور وفکر کیا، اور مرادِ رسول تک پہنچنے کی کوشش کی، چنانچہ اس حدیث کے معنی کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے میں نے بحیثیتِ مجموعی اِیمانیات کے تحت مذکور طاعات کو شمار کرنا شروع کیا تو وہ ستر کے عدد سے کہیں زائد نکلیں۔ پھر میں نے صرف اُن طاعات کو جمع کرنا شروع کیا جن پر احادیث میں "من الإیمان" جیسی خاص تعبیرات کا اطلاق کیا گیا ہے، تو وہ ستر کے عدد تک نہیں پہنچ سکیں۔ تو میں نے قرآن کی طرف رجوع کیا اور اس کی ایک ایک آیت کی تدبر کے ساتھ تلاوت کی اور اللہ تعالی کی بیان کردہ طاعات کو شمار کیا تو وہ بھی ستر کے عدد سے کم تھیں۔ پھر میں نے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ہر دو میں بیان کردہ طاعات کو ملا کر (حذفِ مکررات کے ساتھ) شمار کیا تو ان کی تعداد ستر سے نو زائد، پوری اُناسی (۷۹) تھی، نہ کم نہ زیادہ۔ اِس سے میری سمجھ میں آیا کہ اِس حدیث میں ایمان کے ستر سے زائد وہ شعبے مراد ہیں جو قرآن وحدیث میں "اِیمان" کے لفظ یا اُس سے اتصاف کے ساتھ متفرق طور پر مذکور ہیں۔ چنانچہ میں نے ان تمام شعبوں کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "وصف الإیمان وشُعَبُه" میں جمع کردیا ہے" اھ۔

حافظ ابن حبانؒ [ت: ۳۵۴ھ] کے علاوہ اور بھی کئی علماء نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، مگر اُنھوں نے مجموعی طور پر کل ''ستہتر'' (۷۷) شعبے شمار کرائے ہیں، اُن میں امام ابوعبد اللہ الحلیمی [ت: ۴۰۳ھ] کی کتاب ''المنہاج فی شعب الایمان''، اور امام بیہقیؒ [ت: ۴۵۸ھ] کی تصنیف ''شعب الایمان'' زیادہ مشہور ہیں۔

مشہور مفسر اور شارحِ حدیث قاضی بیضاویؒ [ت: ۶۸۵ھ] نے حلیمیؒ اور بیہقیؒ وغیرہم کے طویل کتابی افادات کو ''تحفۃ الابرار'' (شرح ''مصابیح السنۃ'') میں نہایت ایجاز واختصار کے ساتھ ملخص اور مرتب فرمادیا ہے، پھر علامہ طیبیؒ [ت: ۷۴۳ھ] نے بھی اسی کو اپنی شرحِ مشکوۃ ''الکاشف عن حقائق السنن'' میں نقل فرمادیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ [ت: ۸۵۲ھ] نے ''فتح الباری'' میں، اور علامہ عینیؒ [ت: ۸۵۵ھ] نے ''عمدۃ القاری'' میں اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اُس کی مزید تنقیح وتہذیب اور تحریر بھی فرمادی ہے۔

ماضی قریب میں اِسی موضوع پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ [ت: ۱۳۶۲ھ] نے بھی ''فروع الایمان'' کے نام سے ایک رسالہ اردو زبان میں تصنیف فرمایا ہے، اور ہر ہر شعبے سے متعلق آیات وروایات کی روشنی میں نہایت عالمانہ اور حکیمانہ تشریحات بھی پیش فرمادی ہیں، جس سے یہ رسالہ عوام وخواص سب ہی کے لیے نہایت نافع اور مفید ہوگیا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اِن ہی بزرگوں کے کلام کی روشنی میں مزید تنقیح وتہذیب اور مختصر وضروری تشریح وتوضیح کے ساتھ ''شعب الایمان'' (اِیمان کے ستہتر/ ۷۷ شعبوں) کو اجمالی طور پر شمار کرانا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ آسان فرمائیں اور شرفِ قبول سے نوازیں، آمین۔

اِیمان کے ستہتر (۷۷) شعبوں کا بیان:

جب اللہ پر اِیمان کی حقیقت دِل میں موجود ہوتی ہے تو اُسی پر زبان سے اقرار کا بھی ترتّب ہوتا ہے، اور اُسی پر دیگر اعضاء وجوارح کے ذریعہ اعمال بھی متفرع ہوتے ہیں، اِس لحاظ سے کبھی ''اقرار باللسان'' اور ''عمل بالأرکان'' کو بھی ''اِیمان'' کی حقیقت میں شامل کر کے بیان کردیتے ہیں۔

مگر محققین کے نزدیک ''اِیمان'' کی اصل حقیقت اور جڑ صرف ''اللہ کی ذات وصفات کو دِل سے ماننا اور تصدیق کرنا'' ہے، بقیہ اُمور اُس کے شعبے اور شاخ کے طور پر ہیں، اِیمان کی حقیقت میں داخل نہیں، جیسا کہ حدیثِ مذکور میں فأفضلُها قولُ ''لا إله إلا الله'' سے اِس کی طرف صاف اِشارہ بھی موجود ہے، کہ

''لاالٰہ الااللہ کے اقرار'' کو ایمان کا افضل ترین شعبہ قرار دیا جارہا ہے، نہ کہ نفسِ ایمان۔ نیز اَصل کے بغیر شعبوں اور شاخ کا بھی تصور ممکن نہیں۔

لہٰذا نفسِ اِیمان تو قلبی تصدیق کا نام ہوا، اور اقرار اور دیگر اعمال اُس سے پھوٹنے والی شاخیں اور اُس پر متفرع ہونے والے شعبے ٹھہرے۔

پھر یہ ''شُعبِ اِیمانیہ'' اپنے مَظہر اور محل کے اعتبار سے تین قسموں پر ہیں:

۱— وہ اعمال واحوال جن کا تعلق دِل سے ہے ان کو ''اعمال الجَنان'' کہتے ہیں۔

۲— وہ اعمال جن کا تعلق زبان سے ہے اُن کو ''اعمال اللِسان'' کہتے ہیں۔

۳— وہ اعمال جو دیگر اعضاء وجوارح سے صادر ہوتے ہیں ان کو ''اعمال الارکان'' کہتے ہیں۔

دل سے متعلق اعمال

دِل سے متعلق اعمال کے کل تیس (۳۰) شعبے ہیں، جو ذیل میں بالترتیب ذکر کیے جاتے ہیں:

۱— اللہ تعالیٰ کے لیے تمام خوبیوں اور کمالات کو ماننا، اور تمام نقائص اور معایب سے اُس کو منزہ ماننا۔

۲— یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے سب حادث ہے (پہلے نہیں تھا، خدا تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا اور وقتِ موعود پر فنا ہوجائے گا)۔

۳— فرشتوں پر ایمان لانا (اُن مخصوص صفات کے ساتھ جن کا ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہوا ہے)۔

۴— اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانا (قرآن وحدیث میں وارِد تفصیلات کے ساتھ)۔

۵— اُس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہوئے، کہ آپ کے بعد اَب کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا، اور آپ کی رسالت پر اِیمان لائے بغیر نہ کسی کا اِیمان معتبر ہوسکتا ہے، نہ کوئی عمل)۔

۶— تقدیر پر ایمان لانا۔

۷— آخرت پر ایمان لانا (اسی میں قبر کے سوالات، عذابِ قبر، حشر ونشر، دوبارہ زندہ کیا جانا، اور میدانِ قیامت میں جمع ہونا، پھر حساب وکتاب کا ہونا، میزانِ عدل کا قائم کیا جانا، اور پلِ صراط وغیرہ

امور بھی شامل ہیں)۔

۸— جنت اور اس کی نعمتوں کے برحق ہونے اور دائمی ہونے پر ایمان لانا۔

۹— جہنم اور عذابِ جہنم کے بھی برحق ہونے اور دائمی ہونے پر ایمان لانا۔

۱۰— اللہ تعالیٰ سے محبت وعظمت کا تعلق رکھنا۔

۱۱— کسی سے بھی محبت وعداوت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی کرنا (انبیاء، اولیاء، صلحاء، آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سے محبت کرنا اور کفار وفجار اور فساق ومبتدعین سے بغض اور فاصلہ رکھنا بھی اسی قبیل سے ہے)۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے دشمنوں اور کھلم کھلا اُس کی نافرمانی کرنے والوں سے ''موالات'' (قلبی دوستی) بالخصوص جو صرف اپنی دنیاوی اَغراض، جذبات، اور قرابت ومحبت کے پیشِ نظر ہو وہ بہر حال ناجائز ہے، البتہ ''مُوَاسات'' (ہمدردی) کے تحت: ایسے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے، یا اپنے آپ کو ان کے شر سے بچانے کے لیے جو حسنِ سلوک کیا جائے، وہ جائز ہے۔

۱۲— حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا (آپ کی تعظیم کرنا، آپ کی اطاعت کرنا، آپ کی سنتوں کا اتباع کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، اور آپ کی ناموس کی حفاظت اور دفاع کرنا؛ یہ سب اُمور آپ کی محبت کے مقتضا اور حقوق میں شامل ہیں)۔

۱۳— تمام امور میں نیت کو خالص رکھنا (ریاکاری، دکھاوے سناوے اور منافقت سے بچنا)۔

۱۴— گناہوں پر ندامت کا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر اُس سے توبہ کرنا۔

۱۵— خوف وخشیت، یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ڈر دل میں پیدا کرنا۔

۱۶— شرم وحیاء کرنا (اللہ تعالیٰ سے بھی اور بندوں سے بھی)۔

''حیاء'' دراصل باطنی وروحانی ''حیات'' کا نام ہے، جس کے اندر سے حیاء نکل جاتی ہے اُس کی روحانی موت واقع ہو جاتی ہے، اِس لیے حیاء ہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی بچنا آسان ہوتا ہے، اور خلافِ مروءت اور نامناسب کاموں سے بھی بچنا آسان ہوتا ہے، اور اِنہی دونوں چیزوں کا لحاظ کرنے سے اِنسان کا دین بھی کامل ہو جاتا ہے، اور دنیاوی شرافت بھی حاصل ہو جاتی ہے، اِسی لیے تمام اِیمانی

شعبوں میں سے ’’والحیاءُ شعبۃٌ من الإیمان‘‘ کومستقل طور پر اتنے اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے شرم کرنے سے گناہوں سے اور نافرمانی سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، اور بندوں سے شرم کرنے سے خلافِ مروّت اور نامناسب کاموں سے بچنا آسان ہوجاتا ہے، اور اِنہی دونوں چیزوں کا لحاظ کرنے سے اِنسان کا دین بھی کامل ہوجاتا ہے، اور دنیاوی شرافت بھی حاصل ہوجاتی ہے، اِسی لیے تمام اِیمانی شعبوں میں سے والحیاءُ شعبۃٌ من الإیمان کومستقل طور پر اتنے اہتمام سے بیان فرمایا گیا ہے۔

۱۷— اللہ تعالی کی رحمت سے مایوس نہ ہونا اور ہر حال میں اُس سے خیر کی امید رکھنا۔

۱۸— شکر ادا کرنا (اللہ تعالیٰ کا بھی، بندوں کا بھی)۔

واضح رہے کہ ’’شکر‘‘ اصلاً تو دِل کی ممنونیت اور جذبۂ اِحسان مندی کا نام ہے، البتہ اُس کا اِظہار زبان وقلم سے بھی کیا جاتا ہے، اور طرزِ عمل سے بھی، اور نعمت کی قدردانی کرتے ہوئے اُس کے صحیح اِستعمال کے ذریعے بھی۔

۱۹— وفائے عہد کرنا (اللہ سے کیے ہوئے وعدوں کو بھی اور مخلوق سے کیے ہوئے وعدوں کو بھی پورا کرنا)۔

۲۰— صبر اختیار کرنا (طاعات پر جمے رہنا، معاصی سے بچتے رہنا، اور مشکلات میں دل سے، یا زبان سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا، اور عمل میں خلافِ شرع کوئی قدم نہ اٹھانا)۔

۲۱— تکبر نہ کرنا، بلکہ تواضع اختیار کرنا۔

جاننا چاہیے کہ حدیث شریف کے بموجب ’’تکبر‘‘ نام ہے بَطَرُ الْحقِ، وغَمْطُ الناس کا (یعنی کسی بھی مسئلہ میں حق واضح ہوجانے کے باجود اُس کو قبول نہ کرنا، اور لوگوں کو خود سے حقیر سمجھنا)۔

اِس لحاظ سے تواضع کی تعریف ہوئی: قَبولُ الحقِ بلا اسْتِنكافٍ، وغَمْطُ النفسِ مِن سائر الخَلْق (بلا جھجک حق قبول کرلینا اور خود کو دوسروں سے کمتر سمجھنا)۔

تواضع کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خود کو اللہ کی طرف سے کسی فضیلت کا، یا مخلوق کی طرف سے کسی تعظیم وتکریم کا بذات خود مستحق نہ سمجھے، البتہ جو تعظیم کسی خداداد منصب یا موہوب شرف وفضیلت کے عرفی وقار کی حفاظت کے لئے کرائی جاتی ہے وہ اس سے علاحدہ ہے۔

اِکرامِ مسلم اور بڑوں کی تعظیم بھی تواضع کے تقاضوں میں شامل ہے۔

۲۲— عُجب (خود پسندی، خود بینی اور خود نمائی) کو چھوڑنا۔

یہاں تین الفاظ ہیں: ایک ''تکبر''، جس میں دوسروں کی تحقیر کا پہلو ہوتا ہے۔ دوسرے ''عجب''، جس میں اپنے کمال پر نظر ہوتی ہے، تیسرے ''مسرت'' جو کسی (دینی یا دنیوی) نعمت کے حصول پر، پائے جانے والے طبعی سرور اور خوشی کا نام ہے، اس میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اگر نظر اللہ کے فضل اور عطا پر ہو تو یہ ''مسرت'' اِیمان کی علامتوں میں سے ہے، فَافْهم۔

۲۳— دل میں شفقت و مہربانی کا ہونا (عام خلقِ خدا پر بھی، اور بالخصوص چھوٹوں، کمزوروں اور زیر دستوں پر)۔

۲۴— حسد نہ کرنا (یعنی کسی کو ملی ہوئی نعمتوں، یا دینی یا دنیوی ترقی کو دیکھ کر نہ جلنا، اور اپنا دِل چھوٹا نہ کرنا، کیوں کہ ''حسد'' علامت ہے ''تقدیر'' پر شکوے کی، جو خود اِیمانی شان اور تقاضے کے خلاف ہے)۔

۲۵— دل کو کینہ سے پاک رکھنا (مسلمانوں کے ساتھ نصح و خیر خواہی اور ہمدردی و خیر سگالی کا تعلق رکھنا بھی اِس میں شامل ہے، اور حسنِ ظن رکھنا بھی۔ واضح رہے کہ بغیر کسی پختہ بنیاد کے کسی مسلمان سے بدگمانی کرنا حرام ہے، اور اچھا گمان رکھنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے، اور خالی الذہن رہنا جائز اور مباح ہے)۔

۲۶— بے موقع غصہ نہ ہونا (اور ہر موقع کے لحاظ سے اسی کے مناسب غصہ کا اِظہار کرنا)۔

۲۷— دھوکہ اور فریب نہ دینا۔

۲۸— دنیا سے محبت نہ رکھنا۔

جاننا چاہیے کہ جاہ، یا مال کی محبت، یا خواہشاتِ نفس کی پیروی: ''حبِ دنیا'' کہلاتی ہے، اور اِس ''حبِ دنیا'' کے مذموم ہونے کے مختلف مراتب ہیں: اگر نعوذ باللہ یہ اللہ و رسول کی محبت پر غالب آنے لگے، اور اُن کے اَحکام کی تابعداری میں رکاوٹ بننے لگے، پھر تو یہ سخت مذموم اور اِیمان کے تقاضے کے سراسر خلاف ہے۔ اور اگر اُس میں مانع نہ بنے تو اس کی اجازت ہے، اور دنیا کی محبت کا دِل سے بالکل نکل جانا، یا سرد پڑ جانا ''زہد'' کہلاتا ہے، جو اِیمان کا ایک خاص مرتبہ اور تصوف کا ایک خاص مقام ہے۔

۲۹— تقدیر پر راضی ہونا۔

واضح رہے کہ ایک تو ہے: ''تقدیر پر ایمان لانا''، جو نمبر ۶ پر گذرا، اُس کے معنی ہیں: اِس بات پر یقین رکھنا

کہ جو کچھ خوش گوار یا نا گوار حالات پیش آتے ہیں سب منجانب اللہ طے شدہ نظام کے مطابق ہوتے ہیں۔ دوسرے ہے: "تقدیر پر راضی ہونا"، یعنی: اللہ کے فیصلوں کو دل سے قبول کرلینا، اوران پر کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔

پہلا مضمون تو شرائطِ ایمان میں سے ہے، اور اُس کا اِنکار کفر ہے، دوسرا مضمون کمالِ ایمان کا حصہ ہے، اُس میں کوتاہی معصیت ہے، صحابہ کرام‌ؓ کو رضا بالقضاء کا نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا، اِسی لیے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کی خصوصی سند عطا فرمائی گئی۔

۳۰۔ توکل اختیار کرنا۔

جاننا چاہیے کہ تعلق مع اللہ کے تین درجات ہیں: ایک ہے "اِیمان"، یعنی: اللہ کی ذات وصفات اور اَحکام کو دِل سے ماننا اور تصدیق کرنا۔ دوسرے ہے "اِیقان"، یعنی: یقین اور اطمینان کی وہ کیفیت جو کسی کی تشکیک اور شبہ پیدا کرنے کی کوشش سے بھی متاثر اور متزلزل نہ ہو۔ تیسرے ہے "توکل"، یعنی: اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اپنے سارے معاملات کے انجام کو خدا تعالیٰ کے حوالے کردینا، اور اَسباب کو بالذات یا باللزوم مؤثر نہ سمجھنا، گویا یہ بھی رضا بالقضاء ہی کا ایک خاص مرتبہ ہے۔ اور یہ کیفیت ترکِ اَسباب کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ جائز اَسباب کے ساتھ بھی یہ مقام حاصل کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہی اقرب الی السُنۃ ہے۔

تنبیہ: اُخروی نجات کے لئے "ایمان" کا درجہ حاصل کرنا شرط ہے، جب کہ "اِیقان" اور "توکل" کا درجہ ایمان کے کمال کا حصہ ہے، اُخروی نجات کے لیے شرط نہیں ہے، خوب سمجھ لینا چاہیے۔

یہ تفصیل تو دل سے متعلق اعمال کی تھی۔ (باقی آئندہ)

جہنم سے براءت:

حضرت عمر بن الخطاب‌ؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ: جو شخص مسجد میں جماعت کے ساتھ چالیس رات نماز پڑھے اوراس سے نماز عشاء کی پہلی رکعت نہ چھوٹے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کی وجہ سے جہنم سے آزادی لکھ دیتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ، ۵۸)

راہِ عمل

اپنے کردار کی ہر سمت بکھیریں خوشبو

مولانا شفیق احمد قاسمی اعظمی — ابوظہبی

پوری دنیا میں دو دہائی (۲۰۰۱ء تا ۲۰۲۲ء) کے درمیان مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جس منظم طریقہ سے نفرت کی آگ پھیلائی گئی اور اس کے لئے جس طرح ابلاغ ونشریات کے جدید وسائل وآلات کا بے دریغ استعمال کیا گیا، ایسی خطرناک اور تشویشناک صورتِ حال اسلام کی طویل تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئی، مسلمانان عالم خاص طور پر جنوبی مشرقی ایشیا جہاں ایک ارب ستر کروڑ مسلمانوں کی اکثریت آباد ہے۔

مشرق وسطی میں خالص مسلم ممالک کی تعداد باون ہے، جب کہ انڈونیشیا، پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان، ایران، ملیشیا اور ترکی جو عرب مسلم ممالک سے الگ عجمی ممالک کہلاتے ہیں صرف ان میں اسّی کروڑ کے قریب مسلمان پائے جاتے ہیں اور ہندوستان جو ہندو اکثریتی ملک ہے، ایک ارب تیس کروڑ کی آبادی میں کم از کم بیس کروڑ مسلامن ہیں، چین؛ جو دنیا کا پہلا کثیر آبادی والا ملک ہے، جس کی اکثریت یا توبدھسٹ ہے یا بے دین کمیونسٹ، وہاں بارہ کروڑ مسلمان ہیں، باقی عرب ممالک میں کل ملا کر دس کروڑ سے زائد مسلمان ہیں اور معدنیاتی، قدرتی وسائل سے مالا مال دنیا کے امیر ترین ممالک کہلاتے ہیں، پیٹرول، گیس، سونا ان سب کے ذخائر انھیں ممالک میں دستیاب ہیں اور دنیا کے ہر ملک میں نقل وحمل، آمد ورفت کی سہولیات انھیں معدنیات پر منحصر ہیں، گویا جدید ترقی یافتہ زندگی کی تیز رفتار گاڑی، معیشت، تجارت سب کچھ اسلامی ملکوں میں پائے جانے والے قدرتی وسائل کی مرہون ہے۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ حرب وضرب، فتنہ وفساد، بدامنی، انارکی اور مسلمانوں کی بے وقعتی انھیں ملکوں میں ہے، دہشت گردی کا الزام ان پر لگایا جاتا ہے، مشتعل ہو کر لڑنے مرنے والی قوم کا طعنہ انھیں دیا جاتا ہے، دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہ چلنے اور دنیا کی جدید تہذیب سے الگ اسلام کی شدت پسند تہذیب پر جمے رہنے کا تہمت انھیں دی جاتی ہے، سب سے زیادہ جنگیں امریکہ نے انھیں ملکوں میں لڑی ہیں، اسرائیل اور فلسطین کے لاینحل قضیہ کے نہ سلجھنے میں انھیں مسلمانوں پر یہود مخالف دہشت گردی

کا بہتان ہے، سب سے زیادہ بم دھماکے اور دہشت گردانہ کارروائیاں اسی خطہ میں ہوئی ہیں۔

ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے خلاف دنیا کی ایسی ذہن سازی کردی گئی ہے کہ اس کو ختم کرنے کی صورت ہی سمجھ میں نہیں آتی۔

دوسری طرف ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا ذہن رکھنے والے فرقہ پرست عناصر آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں کو اپنے نشانہ پر لئے ہوئے ہیں، ادھر ۲۰۱۴ء کے بعد وہی ٹولہ برسرِ اقتدار آگیا، صدیوں سے ہندو مسلم مل جل کر ایک ہندوستانی قوم کی طرح پُرسکون زندگی گزارتے آرہے تھے، کثرت میں وحدت کا ہندوستان مرکز تھا، گنگا جمنی تہذیب اور قومی یکجہتی کا گلشن مانا جاتا تھا، اور یہی قومی ایکتا فرقہ پرستوں، اسلام دشمنوں کو گوارا نہیں تھی، کیونکہ ان کو اقتدار کی گدی تک پہونچنے، اور رواداری وانسانیت نوازی، آپسی بھائی چارگی کے اس مثالی ملک کو خالص ہندوراشٹریہ بنانے کا جنون ان کے سروں پر سوار تھا، یہ ملک کی بدقسمتی تھی اور بھولی بھالی ہندوستانی عوام کی سیاسی غلطی کہ جملہ بازوں کی چکنی چپڑی باتوں اور ترقی کے جھوٹے وعدوں پر یقین کرکے اقتدار ان عناصر کے حوالہ کردیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقتدار سے چمٹی رہنے کا عزم رکھنے والی پارٹی نے منظم طریقہ پر اپنا کھیل شروع کردیا، میڈیا کو نفرت پھیلانے پر لگادیا، ٹی وی چینلوں کو ہندو مسلم کے درمیان عداوت پیدا کرکے خلیج کو وسیع کرنے کا ٹھیکہ دے دیا، اپنی ہم نوا انتہا پسند مسلم مخالف تنظیموں کو آئے دن مسلمانوں کے خلاف بیان دینے، دھمکیاں دینے، خوف زدہ کرنے میں سرگرم کردیا، سب کا ساتھ سب کا وکاس کا نعرہ جلسوں، بیانوں، تقریروں میں صرف زبانی جملے استعمال کرکے دنیا کو بتایا جانے لگا کہ سب کچھ ٹھیک ہے، ہمارے دیش میں کسی کے ساتھ بھید بھاؤ اور تعصب ونفرت نہیں، لیکن عملاً ہر وہ قدم اٹھایا جارہا ہے جس سے مسلمانوں کو بے حیثیت کیا جائے، ان کو احساس دلایا جائے کہ تم کچھ نہیں، بہت دنوں تک بھارت پر راج کیا اب ہم تمہارا سب کچھ مٹادیں گے اور تمہاری پوزیشن صرف اتنی ہوگی کہ تم بھارت میں رہتے ہو۔

مسلمانوں کا کردار

یہ ایک مشاہدہ اور حقیقت ہے کہ اپنے خلاف ماحول سازی کرنے والوں کو بہت حد تک کامیابی ہمارے اپنے کردار اور اخلاق کی بدولت بھی ملی ہے، ہندوستان کی غیر مسلم اکثریت کے ذہنوں خاص کر ہندوؤں کی نئی نسل کو مسلم دشمن بنانے کی کوشش کا جواب ہم نے نہیں دیا، نہ اسلام کے صحیح تعارف پر محنت کی گئی، نہ

قرآن کی تعلیمات کو غیر مسلموں تک تسلسل سے پہونچانے کا ہماری ملی دینی تنظیموں نے اہتمام کیا، نہ مدارس نے ایسے افراد تیار کرنے پر توجہ دی جو کردار کے بلند، اخلاق کے پختہ اور ایمان میں مضبوط بے لوث داعی بن کر برادرانِ وطن کو ان کی ہندی ،ٹلیالم، کنڑ، تمل ، بنگلہ، اڑیا زبان میں تقریروں ڈتحریروں کے ذریعہ اسلام کا تعارف کراتے ،نفرت کے مقابلہ میں محبت تقسیم کرتے ،عداوت کے مقابلہ میں پیار برساتے ،حالانکہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں برائی کو ختم کرنے اور محبت کی خوشبو پھیلا کر دلوں کو مشکبار کرنے ،عداوتوں کے خوگر دلوں میں پیار کی سوغات تقسیم کرنے کا نسخہ ہمیں عطا کیا ہے،رسولِ انقلاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، برائی کو بھلائی ،سنگ دلی کو رحم دلی، عداوت کو دوستی میں بدلنے کا گُر ہم کو بتایا گیا ہے اور رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کردار وعمل یہ ثابت کر کے عملی نمونہ پیش کر کے داعیانِ اسلام، مفکرانِ ملت اور پاسبانِ حرم کو سبق پڑھایا ہے کہ جب مخالفتوں کی بادِ صرصر چلے، فتنہ وفساد برپا کرنے والی تحریکیں جنم لیں، نفرت و عداوت کے شعلے بھڑکائے جائیں تو تم دلوں کو فتح کرنے پر توجہ دو، صبر واستقامت کے پیکر بن کر ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کو شوست بنانے پر زور دو، اشتعال انگیزی کے مقابلہ میں اشتعال انگیزی نہیں بلکہ حسنِ سلوک اور رواداری کے پھول نچھاور کرو، گالیں کے جواب میں دعائیں دو، ظلم کرنے والوں کے ساتھ عدل وانصاف اور عفوو درگذر کا معاملہ کرو، جوروستم کی تاریکی میں انسانیت وشرافت کے اور محبت واخوت کا چراغ جلاؤ، سیئات کو حسنات سے ختم کرو، ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ (حٰم سجدہ ۳۴)

> اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہوسکتیں، برائی اپنے عمدہ اخلاق، اعلی کردار سے ختم کرو، جس کا اثر یہ دیکھو گے کہ وہ شخص جس کے درمیان اور تمہارے درمیان عداوت ہے (خواہ دینی عداوت ہے یا ذاتی) وہ تمہارا دلی گرم جوش دوست جائے گا۔

اس آیت کی روشنی میں ہم آپ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، سیر صحابہ کا مطالعہ کریں، مکی زندگی سے لے کر مدنی زندگی تک تئیس سالہ دور کو دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے جانی دشمنوں اور تشدد سے بھرپور مخالفین کے ساتھ، باوجود کہ بے پناہ انسانیت سوز، دلدوز ایذا رسانی کے، رسولِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے سیئات کے مقابلہ میں حسنات کا کس قدر اہتمام کیا ہے، قریش مکہ کی تحقیر وتکذیب ہو یا طائف کے بد

تماشوں کی سنگ باری، ہر موقع پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی برتاؤ رہا۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دے دی
سلام اس پر، ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر ہوا مجروح جو بازارِ طائف میں
سلام اس پر کہ جس نے جھولیاں بھر دیں فقیروں کی
سلام اس پر کہ مشکیں کھول دیں جس نے اسیروں کی

یہ علامہ ماہر القادری کے شہرۂ آفاق سلام کے کچھ اشعار ہیں جن میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر پہلو جلوہ گر ہے، مذکورہ بالا آیت کی گویا تفسیر ہے، سلام کے یہ اشعار پڑھیں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سلوک کو یاد کریں، وہ کون لوگ تھے، وہی تو تھے جن کی زندگی میں وحشت و بربریت، شیطنت و درندگی طشت از بام تھی، مگر جب گرفتار ہوکر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے قیدی بنے تو آپ نے سب کچھ یاد ہوتے ہوئے ان کے ساتھ سیئات کے بدلہ میں حسنات کا وہ ثبوت دیا کہ انسانیت نوازی، شرافت و رواداری، عفو و درگذر کی سنہری تاریخ قیامت تک کے لئے رقم کردی اور ثابت کردیا کہ بدلوں کو کس طرح اپنا بنایا جاتا ہے کہ نفرت کی جگہ محبت کے آبشار بہنے لگیں، ان قیدیوں میں سے تقریباً سبھی نے اسلام قبول کیا اور اسلام کی نشر و اشاعت کا پرچم لہرایا، اسلام کی سربلندی کے لئے نکلے تو قیصر کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت میں سرگرم رہنے والے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نچھاور کرنے والے بن گئے، اسی طرح فتح مکہ کی تاریخی مثال دنیا کی کون سی تاریخ پیش کرسکتی ہے کہ تمام باغی و طاغی سرنگوں کھڑے ہیں کہ اپنے جرائم کی پاداش میں اب قتل عام کا حکم ہوگا، مگر زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رحم و کرم کے پھولوں کی بارش ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے ''جاؤ! تم سے کوئی باز پُرس نہیں، تم سب آزاد ہو،'' اور پھر دنیا دیکھتی ہے اور اس پر تاریخی شہادتیں موجود ہیں کہ وہی دشمنانِ دین، اسلام کے محافظ اور جانباز سپاہی، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار اور فداکار بن گئے، جن کے ہاتھوں دنیا کے اکثر علاقے

فتح ہو گئے اور خلافتِ راشدہ کا زریں دور دنیا نے دیکھا، کتنی مثالیں دی جائیں، سیرۃ النبی کا ہر صفحہ اور سیر صحابہ کا ہر ورق حسنِ اخلاق کی خوشبو سے معطر ہے۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستان یا دنیا کے کسی بھی ملک میں نفرت کے دہکتے شعلے سرد ہوں، بغض و عناد سے بھرے دلوں میں بھائی چارہ کی چاشنی پیدا ہو، تو بہت صبر تحمل اور استقامت کے ساتھ ہر مشکل گھڑی اور امتحان کے وقت سیئات کا بدلہ حسنات سے دینے کے قرآنی نسخہ اور نبوی اسوہ کو اپنانا ہوگا پھر ہم آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالی دلوں کو کیسے بدلتا ہے، بس چراغ جلاتے جائیں روشنی ضرور پھیلے گی ان شاء اللہ

جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا (کلیم عاجزؔ)

شافعِ روزِ جزا

منور کردے جو دنیائے دل، ہاں! وہ ضیا تم ہو
بصیرت بخش مومن، نورِ حق، شمعِ ہدیٰ تم ہو

زہے قسمت کہ اب خلوت بھی ہے آسودۂ جلوت
تصور میں حبیبِ کبریا جلوہ نما تم ہو

نہیں کچھ امتیازِ ما و تو فیضانِ رحمت میں
ضیا بخشی ہے جس کی عام، وہ شمس الضحیٰ تم ہو

خدائے پاک کے فرمانِ عالی قُم فأنذِر کے
نذیرِ خوش ادا تم ہو، بشیرِ جاں فزا تم ہو

جہاں خائف ہیں سارے انبیا، سکتے کا عالم ہے
وہاں اعزاز تم کو، شافعِ روزِ جزا تم ہو

ملی ہے بے بہا دولت جسے اشکِ ندامت کی
تعالی اللہ عارفؔ! وہ فقیرِ بے نوا تم ہو

کلام : حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی

ماہِ رواں

ماہِ صفر المظفر کا تعارف اور متعلقہ اَحکام

مولانا مفتی محمد راشد ڈسکوی

دار الافتاء جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ

صفر کے لغوی معنی

اسلامی سال ۱۴۴۴ ہجری کا دوسرا مہینہ "صَفَرُ الْمُظَفَّر" شروع ہو چکا ہے، صفر کے لغوی معنی: خالی ہونے کے ہیں، کسی بھی چیز کے خالی ہونے کو لفظِ صَفَر کے ساتھ بولا جاتا ہے، عرب میں دستور یہ تھا کہ وہ چار حرمت والے مہینوں (رجب المرجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم الحرام) میں لڑائیوں اور آپس کے قتل وقتال سے رُکے رہتے تھے، چنانچہ محرم ختم ہوتے ہی پابندی ختم ہوجانے کی وجہ سے فوراً وہ جنگ، لڑائی اور دیگر اَسفار وغیرہ میں نکل پڑتے تھے، اور اُن کے پیچھے اُن کے جنگجو مردوں سے اُن کے گھر خالی ہوجاتے تھے، اِسی وجہ سے اس مہینے کو "صفر" کا مہینہ کہتے ہیں۔

صفر کے ساتھ "المظفر" لگانے کی وجہ

صفر کے ساتھ عام طور پر "مظفر" یا "خیر" کا لفظ لگایا جاتا تھا، یعنی: "صفر المظفر" یا "صفر الخیر"، ان الفاظ کے اضافے کی وجہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بھی اور موجودہ زمانے میں بھی اس مہینے کو منحوس، آسمان سے بلاؤں اور آفات اترنے والا مہینہ سمجھا جاتا ہے، جب کہ احادیث مبارکہ میں اس کی سختی سے تردید کی گئی ہے، چنانچہ اِن اَلفاظ کی زیادتی سے اُن جاہلانہ اور باطل نظریات کی تردید کرنا مقصود ہے، "صفر المظفر" کے معنی: کامیابی والا صفر اور "صفر الخیر" کے معنی: نیکی اور بھلائی والا صفر ہیں۔

ماہِ صفر سے متعلق شرعی اَحکام

اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن سے متعلق کوئی خاص فضائل ثابت نہیں ہیں۔ اور اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن سے متعلق کوئی مخصوص اعمال اور عبادات ثابت نہیں ہیں۔ اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن

سے متعلق کوئی خصوصی نظریات اور اعتقادات ثابت نہیں ہیں۔

ماہِ صفر کے بارے میں جاہلانہ عقائد و نظریات

یہ مہینہ انسانیت میں زمانہ جاہلیت سے ہی منحوس، آسمانوں سے بلائیں اُترنے والا اور آفتیں نازل ہونے والا مہینہ سمجھا جاتا ہے، بعض گھروں میں اِس مہینے کی آفات و بلیات سے بچنے کی خاطر اجتماعی قرآن خوانی کا اہتمام کروایا جاتا ہے۔ اس مہینہ میں کسی نئے کاروبار کے آغاز کو بے برکت والا سمجھا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس ماہ میں خوشی کی تقریبات، شادی، بیاہ اور ختنہ وغیرہ کو منحوس سمجھتے تھے۔ اور قابلِ افسوس امر یہ ہے کہ یہی نظریہ نسل در نسل آج تک چلا آرہا ہے، حالاں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرما دی اور علی الاعلان ارشاد فرما دیا کہ: (اللہ تعالی کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کے دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) اور ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔ ملاحظہ ہو: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ''لا عَدْوَىٰ ولا صَفَرَ ولا هَامَةَ''۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 5770)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں اس قسم کے فاسد و باطل خیالات و نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ایسے نظریات و عقائد کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاؤں تلے روند چکے ہیں۔

ماہِ صفر کے بارے میں ایک موضوع اور من گھڑت روایت کا جائزہ

ماہِ صفر کے متعلق نحوست والا عقیدہ پھیلانے کی خاطر دشمنانِ اسلام نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب جھوٹی روایات پھیلانے جیسے مکروہ اور گھناؤنے افعال سے بھی دریغ نہیں کیا، ذیل میں ایک ایسی ہی من گھڑت روایت (جو ماہ صفر شروع ہوتے ہی سوشل میڈیا پر بہت کثرت سے نشر ہوتی ہے) اور اس پر ائمہ جرح و تعدیل کا کلام ذکر کیا جاتا ہے، وہ من گھڑت حدیث یہ ہے: ''مَنْ بَشَّرَنِيْ بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّةِ''۔

''جو شخص مجھے صفر کے مہینے کے ختم ہونے کی خوشخبری دے گا، میں اُسے جنت کی بشارت دوں گا''۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا ہے، طریقہ استدلال یہ ہے

کہ چوں کہ اس مہینہ میں نحوست تھی، اس لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہینے کے صحیح سلامت گذرنے کی خبر دینے پر جنت کی خوشخبری دی ہے۔

تو اس بارے میں جان لینا چاہیے کہ یہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے، بلکہ موضوع اور لوگوں کی گھڑی ہوئی ہے، اس کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ ائمہ حدیث نے اس من گھڑت حدیث کے موضوع ہونے کو واضح کرتے ہوئے اس عقیدے کے باطل ہونے کو بیان کیا ہے، ان ائمہ میں ملا علی قاری، علامہ عجلونی، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پٹنی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔

اس من گھڑت اور موضوع روایت کو ایک طرف رکھیں، اس کے بالمقابل ماہِ صفر کے بارے میں بہت ساری صحیح احادیث ایسی موجود ہیں جو ماہِ صفر کی نحوست کی نفی کرتی ہیں، تو ایسی صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے موضوع حدیث پر عمل کرنا یا اس کی ترویج کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن بنانا کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت

ماہِ صفر کے بارے میں لوگوں میں مشہور غلط عقائد و نظریات میں ایک ''اس مہینے کے آخری بدھ'' کا نظریہ بھی ہے، کہ اس بدھ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفا ملی اور آپ نے غسلِ صحت فرمایا، لہٰذا اس خوشی میں مٹھائیاں بانٹی جاتی ہیں، بعض علاقوں میں چُوری بنا کر تقسیم کی جاتی ہے، اور اِسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور بہت سے علاقوں میں تو اس دن خوشی میں روزہ بھی رکھا جاتا ہے اور خاص طریقے سے نماز بھی پڑھی جاتی ہے، حالاں کہ یہ بالکل خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ بات ہے، اس دن تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرضِ وفات کی ابتداء ہوئی تھی، نہ کہ مرض کی انتہاء اور شفاء، یہ افواہ اور جھوٹی خبر دراصل یہودیوں کی طرف سے آپ کی مخالفت میں آپ کے بیمار ہونے کی خوشی میں پھیلائی گئی تھی اور مٹھائیاں تقسیم کی گئی تھیں۔ اس باطل نظریئے کی تردید میں اکابر علماء نے بہت سے فتاویٰ اور تفصیلی مقالات لکھے ہیں جن سے اس رسمِ بد اور غلط روش کی اور صفر کے آخری بدھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفایاب ہونے یا بیمار ہونے کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو روزہ رکھنے کا حکم

ماہِ صفر کا آخری چہار شنبہ بلادِ ہند میں مشہور بایں طور ہے کہ اس دن خصوصیت سے نفلی روزہ رکھا جاتا ہے اور شام کو کچوری یا حلوہ پکا کر کھایا جاتا ہے، عوام اس کو ''کچوری روزہ'' یا ''پیر کا روزہ'' کہتے ہیں، واضح رہے کہ

یہ سب کچھ بالکل غلط اور بے اصل ہے، اس روزہ کو خاص طور سے رکھنا اور ثواب کا عقیدہ رکھنا بدعت اور ناجائز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم سے کسی ایک ضعیف حدیث میں بھی اس کا ثبوت بالالتزام مروی نہیں اور یہی دلیل ہے اس کے بطلان وفساد اور بدعت ہونے کی، کیونکہ کوئی عبادت ایسی نہیں، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو تعلیم کرنے سے بخل کیا ہو۔ (امداد المفتین،ص416 :،دارالاشاعت)

ماہِ صفر کے آخری بدھ میں ایک مخصوص طریقے سے ادا کی جانے والی نماز کا حکم

اس دن میں روزہ رکھنے کی طرح ایک نماز بھی ادا کی جاتی ہے، جس کی ادائیگی کا ایک مخصوص طریقہ بیان کیا جاتا ہے، اس نماز کو بتلانے والے حضرات صوفیانِ کرام ہیں، نماز کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ ماہِ صفر کے آخری بدھ دو رکعت نماز، چاشت کے وقت، اس طرح ادا کی جائے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ''قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ '' والی دو آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد ''قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ '' والی دو آیتیں پڑھیں اور سلام پھیرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور ان الفاظ سے دعا کریں ''اللّٰهم اصرِف عنّي شرَّ هذا اليومِ واعصِمْني شُؤمَه واجْعَلْه عليّ رحمةً وبركةً وجنِّبْني عمّا أخافُ فيه من نُحوساته وكرباته بفضلك يا دافعَ الشرور، ويا مالكَ النشور، يا أرحمَ الراحمين ''۔

اس طریقہ نماز کی تخریج علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ نے اپنی کتاب ''الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة'' میں کی ہے، آپ لکھتے ہیں کہ ''اس قسم کی مخصوص طریقوں سے ادا کی جانے والی نمازوں کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مخصوص طریقہ کی شریعت میں مخالفت موجود ہو تو کسی کے لیے ان منقول طریقوں کے مطابق نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ مخصوص طریقے والی نماز شریعت سے متصادم نہ ہو تو پھر ان طریقوں سے نماز ادا کرنا مخصوص شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے جائز ہے، وگرنہ جائز نہیں ہے۔ وہ شرائط یہ ہیں:

۱۔ اِن نمازوں کو ادا کرنے والا ان کے لیے ایسا اہتمام نہ کرے جیسا کہ شرعاً ثابت شدہ نمازوں (فرائض وواجبات وغیرہ) کے لیے کیا جاتا ہے۔

۲۔ ان نمازوں کو شارع علیہ السلام سے منقول نہ سمجھے۔

۳۔ ان منقول نمازوں کے ثبوت کا وہم نہ رکھے۔

۴۔ ان نمازوں کو شریعت کے دیگر مستحبات وغیرہ کی طرح مستحب نہ سمجھے۔

۵— ان نمازوں کا اس طرح التزام نہ کیا جائے ،جس کی شریعت کی طرف سے ممانعت ہو۔

جاننا چاہیے کہ ہر مباح کام کو جب اپنے اوپر لازم کرلیا جائے ،تو وہ شرعاً مکروہ ہوجاتا ہے۔اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے میں ایسے افراد معدوم ہیں جو مذکورہ شرائط کی پاسداری رکھ سکیں اور شرائط کی رعایت کیے بغیر ان نمازوں کو ادا کرنے کا حکم اوپر گذر چکا ہے کہ یہ عمل ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کا مصداق تو بن سکتا ہے،تقرب الی اللہ کا ذریعہ نہیں۔

خلاصہ کلام

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ''مَنْ بَشَّرَنِي بِخُرُوْجِ صَفَرَ، بَشَّرْتُه بِالْجَنَّة'' والی روایت ثابت نہیں ہے، بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، اس کو بیان کرنا اور اس کے مطابق اپنا ذہن وعقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ نیز! ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفاء ملنے والی بات بھی جھوٹی اور دشمنانِ اسلام یہودیوں کی پھیلائی ہوئی ہے،اس دن تو معتبر روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی نہ کہ شفاء۔

لہٰذا ہم سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم خود بھی اس طرح کے توہمات ومنکرات سے بچیں اور حتیٰ الوسع دوسروں کو بھی اس طرح کی خرافات سے بچانے کی کوشش کریں۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم وَ عِبادُکَ الصَّالِحُوْنَ، وأَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا عَاذَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم وَ عِبادُکَ الصَّالِحُوْنَ۔

طابع،ناشر،مدیر(مولانا)محمد عاقل(صاحب)ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

تعمیرِ سیرت

آپ جو لفظ بھی زبان سے نکالتے ہیں وہ لکھ لیا جاتا ہے

سراج الدین ندوی

چیرمین ملت اکیڈمی۔بجنور–9897334419

انسان جو کچھ بھی زبان سے کہتا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں محفوظ ہو رہا ہے، جدید آلات کی ایجاد کے بعد اس دور میں یہ بات سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے کہ انسان کی زبان سے نکلنے والی ہر چیز محفوظ کی جا سکتی ہے، انسان کی نیکیاں اور برائیاں لکھنے کے لیے ہر وقت دو فرشتے حاضر رہتے ہیں، دائیں طرف والا فرشتہ نیکیاں لکھتا ہے اور بائیں طرف والا فرشتہ برائیاں۔انسان کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے یا بری، اس لیے انسان کو بہت سوچ سمجھ کر بولنا چاہیے۔زبان کھولنے سے پہلے اسے الفاظ کو تول لینا چاہیے۔

ارشاد ربانی ہے: مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ”(ق:۱۸)

کوئی لفظ انسان کی زبان سے نہیں نکلتا ہے مگر اسے محفوظ کرنے کے لیے ایک نگراں موجود رہتا ہے۔“

آپ کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ ریکارڈ ہو رہا ہے اس لیے آپ یہ طے کر لیجئے کہ آپ جب بھی زبان کھولیں گے تو اس سے اچھی بات کہیں گے، آپ کی زبان سے لوگ پھول جھڑتے ہوئے دیکھیں، آپ جس محفل میں ہوں اپنی باتوں سے محفل کو عطر بیز کر دیجئے، آپ کی زبان لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھے، آپ کے زبان کے تیر و نشتر انسانوں کو زخمی نہ کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدمی کوئی ایسی بات کہہ دیتا ہے جو اللہ کو خوش کرنے والی ہوتی ہے مگر آدمی کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس بندے کے درجات بلند فرما دیتا ہے، اسی طرح انسان کوئی بات کہہ دیتا ہے جو اللہ کو ناراض کرنے والی ہوتی ہے اور انسان کو اس کا اندازہ بھی نہیں ہوتا اور اسے اس کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔(بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے کوئی شخص کوئی بات اللہ کی خوشنودی کے لیے بول دیتا ہے کہ اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ بات کہاں تک پہنچے گی اور اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس کے لیے اپنی خوشنودی قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے، اسی طرح تم میں سے کوئی شخص ایسی بات کہہ دیتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کی ہوتی ہے اور اسے گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ بات کہاں تک پہنچے گی، اس بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اس کے لیے قیامت تک کے لیے لکھ دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ زبان کو پکڑ کر فرمایا کرتے تھے کہ اسی نے مجھے مشکلات میں ڈالا ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے جو زیادہ بولے گا زیادہ غلطیاں کرے گا اور جو زیادہ غلطیاں کرے گا اس کے گناہ زیادہ ہوں گے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے جہنم اس کے لیے سزاوار ہے۔

مؤمن کی زبان اگر کھلتی ہے تو صرف اچھی بات کے لیے ورنہ وہ خاموش رہتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔''

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یارسولؐ اللہ! ''مجھے کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، پیاسے کو پانی پلاؤ، بھلائی کا حکم دو، برائی سے روکو، اور اگر یہ کچھ نہ کرسکو تو اپنی زبان کو بھلی بات کے علاوہ تمام باتوں سے روکو۔ (ابن حبان)

انسان کو بالکل خاموش بھی نہیں رہنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اپنی زبان بند رکھے۔ زبان اللہ کی نعمت ہے۔ اس لیے اس نعمت سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور زبان کو اپنے فائدہ، لوگوں کے فائدہ اور دین اسلام کے فائدے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، ایک عورت زبان کو خاموش رکھ کر حج کررہی تھی، حضرت ابوبکرؓ نے اس سے فرمایا: ''یہ جائز نہیں ہے، یہ جاہلیت کا عمل ہے۔''

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح سے شام تک چپ رہنے سے منع فرمایا۔

ایک بار حضرت احنف بن قیس کی مجلس میں لوگوں میں اس بات پر تبادلۂ خیال ہوا کہ خاموشی زیادہ

بہتر ہے یا بولنا، کچھ لوگوں نے کہا کہ خاموشی زیادہ بہتر ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا بولنا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت احنف بن قیس نے فرمایا: ’’بولنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ خاموشی کی بھلائی آدمی کی اپنی ذات تک محدود رہتی ہے اور اچھی بات سے سننے والوں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

ایک بادشاہ نے اپنے باورچی سے کہا: ’’مجھے دنیا کا سب سے اچھا کھانا کھلاؤ‘‘۔ جب دسترخوان لگا تو بادشاہ نے دیکھا کہ زبان کا گوشت دسترخوان پر لگا ہوا ہے۔ خیر بادشاہ نے تناول کرلیا۔

اگلے دن بادشاہ نے باورچی سے کہا کہ آج ہمیں دنیا کا سب سے خراب کھانا کھلاؤ۔ جب بادشاہ کھانا کھانے کے لیے دسترخوان پر گیا تو یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ دسترخوان پر زبان کا گوشت موجود ہے۔ بادشاہ نے باورچی سے کہا: ’’یہ کیا حرکت ہے؟ کل تم نے سب سے اچھے کھانے کے طور پر زبان کا گوشت پیش کیا تھا اور آج تم نے سب سے برے کھانے کے طور پر بھی زبان کا گوشت دسترخوان پر سجایا ہے۔‘‘ باورچی نے کہا:

’’بادشاہ سلامت زبان انسان کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی سے انسان کلمہ توحید ادا کر کے جنت کا مستحق بنتا ہے۔ یہ پھٹے ہوئے دلوں کو جوڑتی ہے۔ دشمنی کو محبت میں بدلتی ہے۔ سماج میں پیار کی خوشبو بکھیرتی ہے۔ مگر زبان ہی انسان کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اسی سے انسان کلمۂ کفر ادا کر کے جہنم کا مستحق بنتا ہے۔ زبان ہی لوگوں میں جھگڑا کراتی ہے۔ یہ غلط استعمال کرنے والے کو ذلیل کراتی ہے۔ یہ محبت کو نفرت میں بدل کر رکھ دیتی ہے۔ یہ برائی پر اتر آئے تو سماج میں فتنہ وفساد پیدا کرتی اور اسے بدبودار بنا دیتی ہے‘‘۔

اسی لیے زبان کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کیجئے۔ زبان کھولئے تو صرف اچھی بات بولئے۔ غلط، جھوٹی، لغو، بے ہودہ بات کے لیے زبان نہ کھولیے۔ طعنہ وتشنیع، گالم گلوج، اتہام والزام تراشی اور بے بنیاد باتوں سے زبان کو دور رکھئے۔

ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے؟ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتا ہے: ’’اگر میں اپنی زبان کا بھی مالک نہیں تو پھر کس چیز کا مالک ہوسکتا ہوں؟‘‘ آپؐ نے فرمایا: ’’کیا تم اپنے ہاتھ کے مالک ہو؟‘‘ انہوں نے کہا: ’’اگر میں اپنے ہاتھ کا بھی مالک نہیں ہوسکتا تو پھر کس چیز کا مالک ہوسکتا ہوں؟‘‘ آپؐ نے فرمایا: ’’تب اپنی زبان سے صرف بھلی بات کہو اور اپنا ہاتھ صرف بھلائی کی طرف بڑھاؤ۔‘‘ (طبرانی)

عصرِ حاضر

دینی تعلیم کی ایک اورصبحِ نو کی ضرورت

محمد تبریز عالم حلیمی قاسمی
استاذ دارالعلوم حیدرآباد

قرآن وسنت دین اسلام کی اساس وبنیاد ہیں، ان کی تعلیم وتشریح اور اشاعت وحفاظت مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے، جب تک اسلامی حکومتوں کا دورِ عروج رہا یہ ذمہ داری عوامی اور حکومتی دونوں سطح پر بحسن وخوبی انجام پاتی رہی، چنانچہ اس دور میں مسلمان علم وعمل اور عقائد واحکام میں نہ صرف یہ کہ پختہ تھے بلکہ وہ اس حوالہ سے ہمیشہ فکرمند رہا کرتے تھے، فکر صرف اپنی نہیں بلکہ ان کی فکر کا محور بیوی بچے اور دیگر اہلِ خانہ بھی ہوا کرتے تھے، اپنی موت کے وقت دین وایمان پر جمے رہنے کی تاکید اور وصیت کرنا نہیں بھولتے تھے، قومی اور ملی اعتبار سے ایسا ماحول تھا کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم اور ایمانی تربیت کے لیے مکاتب ومدارس کے ساتھ تربیت گاہوں کا مستحکم نظام تھا، خلافتِ راشدہ کا وہ بابرکت دور فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ علم وعمل، صلاح وتقوی، فقر وزہد اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے وہ انسانیت کا تابناک دور تھا جس کے آثار وبرکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا، بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگرچہ مجروح ہوتی چلی گئی لیکن اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا، بہت سے اسلامی ممالک میں یہ سلسلہ ابھی بھی قائم ہے، جس کی وجہ سے وہاں کے لوگ سب کچھ ہونے کے ساتھ دیندار، ایمان دار، تقوی شعار، اور نیک انسان بھی ہوتے ہیں اور کم از اسلام وکفر اور توحید ورسالت کی حقیقت سمجھتے ہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں مسلمانوں کے عقائد واعمال اور ان کے مذہبی تشخصات کی حفاظت میں سب سے اہم رول مدارس، مساجد اور خانقاہوں نے انجام دیا ہے، اسلامی حکومتوں کے زوال کے بعد شعائرِ دین کی بقاء انہی اسلامی قلعوں کی مرہونِ منت ہے، بالخصوص دینی مدارس کی برکت سے ملک میں دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس کسی نہ کسی درجہ میں بیدار ہے، اس کے علاوہ تبلیغی جماعتوں کے پیار ومحبت سے کلمہ طیبہ اور نماز پڑھوانے کی غرض سے تبلیغی دورے، احکام شرعیہ اور مسائل دینیہ بتلانے کے لیے دارالافتاؤں کا قیام اور معاشرتی وعائلی مسائل کے حل کے لیے دارالقضاؤں کی خدمات بھی دینی بیداری کے حوالہ سے قابل ذکر

ہیں۔لیکن بدقسمتی سے ایک دور ایسا بھی آیا کہ غیروں کے ساتھ بعض اپنوں کی طرف سے بھی دینی علوم، مدارس دینیہ اور علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا اور یہ شور وغوغا برپا کیا گیا کہ مذہب اور دینی علوم جدید ترقیات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، علماء دین ملک وملت کی ترقی اور استحکام بلکہ سالمیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں، مدارس اسلامیہ عصری تقاضوں کے خلاف فتنہ وفساد کے مراکز ہیں، نیز یہاں کی تعلیم معاشی اعتبار سے انسان کو خوشحال زندگی عطا کرنے سے قاصر ہے۔اس زہر کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کو مدارس، مساجد، مکاتب، تبلیغی جماعت اور خانقاہوں سے نہ صرف یہ کہ روک لیا بلکہ ان سے بدگمان بھی رہنے لگے۔نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ بے دینی، بددینی، دین بیزاری، ارتداد، الحاد اور خرابئ عقائد کے دلخراش واقعات ہمارے سامنے آنے لگے، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

اب مسلمانوں کی صورت حال اس قدر خراب ہے کہ دینی تعلیم پر انگریزی تعلیم کو فوقیت دے دی گئی ہے، ایسے کتنے بچے یا بچیاں ہیں کہ وہ کبھی مکتب نہیں گئے، مدارس کا کبھی رخ نہیں کیا، جس کی وجہ سے ان کی ساری زندگی گزر جاتی ہے، مگر صحیح طرح سے قرآن مجید پڑھنا نہیں آتا۔طہارت اور وضو وغسل کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، نماز کے فرائض وواجبات، تشہد ودرود، دعائے قنوت اور دیگر ذکر واذکار ٹھیک طرح پڑھنا نہیں جانتے، بلکہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو دنیوی علوم وفنون کے ماہر ہیں، مگر نمازوں کی تعدادِ رکعت کا بھی انھیں علم نہیں ہے، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر ہم نے معیارِ زندگی کو بہتر اور بلند کرنے کی فکر کی ہے، آخرت کی ابدی زندگی کو بہتر بنانے اور روزِ محشر کی ہولناکیوں سے نجات کی کوئی فکر نہیں ہے۔دیگر اقوام کی طرح دنیا کی چند روزہ زندگی کو ساری سرگرمیوں کا مرکز بنالیا ہے، موت کے بعد کی زندگی کا ہمیں کوئی احساس نہیں۔یہ ایمان ویقین کے نہایت کمزور ہونے اور آخرت سے منہ موڑ لینے کا واضح ثبوت ہے، اور ان سب کی وجہ مدارس ومکاتب سے دوری اور ان سے بدگمانی ہے۔

اصلی علم کیا ہے؟

علم دین کا ہو یا دنیا کا وہ بہر حال انسانیت کے لیے تمغۂ فضیلت اور طرۂ امتیاز ہے، لیکن اصلی علوم صرف وہی ہیں جو صرف وحئ الٰہی کے ذریعہ اور انبیاء کی تعلیمات کے واسطے سے ظہور میں آتے ہیں، جن کے حصول کا مقصد رضائے الٰہی ہے۔

یادرکھنا چاہیے کہ دینی علوم اور دنیاوی علوم کی تقسیم محض موضوع کے لحاظ سے ہے، اس تقسیم کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دین و دنیا میں بھی تفریق ہے، چنانچہ دنیوی علوم اگر بے ہودہ اور لایعنی نہ ہوں اور انھیں خدمت خلق، اصلاح معاش اور تدبیرِ سلطنت کی نیت سے حاصل کیا جائے تو وہ بھی بالواسطہ رضائے الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں، اور دین و دنیا کی تفریق ختم ہوجاتی ہے۔

اس کے برعکس جب دینی علوم کی تحصیل کا مقصد محض دنیا کمانا ہو تو یہ علوم بھی بالواسطہ دنیا کے علوم کی صف میں آجاتے ہیں، گویا اصل مدار نیت پر ہے۔

مقامِ افسوس ہے کہ آج مسلمانوں نے اصلی علوم سے کنارہ کشی اختیار کرلی، اور محض دنیا کمانے کی فکر میں مست ہوگئے، اپنے بچوں کی روشن مستقبل کے چکر میں اپنے حقیقی مستقبل کو تاریک کرنا گوارا کرلیا، اس صورت حال سے نجات پانا بہت ضروری ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دینی تعلیم سے متعلق مسلمانوں کی کوتاہیوں اور ان کے فاسد خیالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

> ”پس جن کو حق تعالیٰ نے فراغت دی ہے، وہ اپنے بچوں کو پورا قرآن پڑھائیں اور جن کے دو چار لڑکے ہوں وہ ان میں سے ایک کو حافظ بھی ضرور بنائے۔ حفظ قرآن کی بڑی فضیلت ہے۔ قیامت میں حافظ کی شفاعت سے ایک بڑی جماعت کی بخشش ہوگی اور اس کے والدین کو ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سے آفتاب بھی ماند ہوجائے گا۔ اس سے اندازہ کرلو کہ خود حافظ کی کیا کچھ قدر و منزلت ہوگی، جب اس کے والدین کی یہ عزت ہوگی۔ اس لیے اس دولت کو بھی ضرور حاصل کرنا چاہیے۔ مگر جن کو فراغت نہ ہو وہ سارا نہ پڑھیں، مگر کچھ تو ضرور پڑھ لیں۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی کتاب سے بالکل ہی نا آشنا ہوں۔ افسوس آج کل تعلیم یافتہ طبقہ قرآن پڑھانے کو بالکل بیکار اور فضول سمجھتا ہے۔ چنانچہ رامپور میں ایک جنٹلمین نے اپنے دوست سے کہا کہ آپ بھی اپنے بچے کو انگریزی اسکول میں بھیجیں۔ انھوں نے کہا کہ نصف قرآن پاک اس کا رہ رہا ہے، وہ ہوجاوے تو بھیجوں۔ انھوں نے پوچھا نصف قرآن پاک کتنے روز میں ہوا ہے، وہ بولے دو سال میں۔ اس نے کہا کہ تم نے اپنے بچے کے دو سال ضائع کیے، دو سال اور کیوں ضائع کرتے ہو۔ اس مدت میں یہ ایک دو درجہ تو تعلیم کا طے کرتا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اس ظالم کو یہ خبر نہیں کہ اس قرآن پڑھنے والے لڑکے نے دو سال میں نہ معلوم جنت کے کتنے درجے طے کرلیے ہیں۔ کیوں کہ قیامت میں قرآن پڑھنے والے کو حکم ہوگا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے چلے جاؤ۔ جہاں تمہارا قرآن رک جائے وہیں تم رک

جاؤ۔ بس وہی تمہارا درجہ ہے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کو تو اسکول کے درجوں کی ضرورت ہے۔ جنت کے درجوں کی کیا ضرورت ہے۔ اس لیے قرآن کریم پڑھانے کو بیکار سمجھتے ہیں۔ مگر ذرا ٹھہریں ابھی چند دن میں مرنے کے بعد۔ بلکہ مرتے وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ اسکول کے درجوں کی ضرورت تھی یا جنت کے درجوں کی''۔

(خطبات حکیم الامت جلد ۲۷ صفحہ ۱۴۲)

مدارس و مکاتب کی حفاظت کیجیے

مسلمانوں کی علمی و عملی پسماندگی اور دینی علوم میں روز افزوں تنزلی سے ہر صاحب بصیرت پریشان ہے، اور ہر ایک اپنے طور پر اس کے اسباب بیان کرتا ہے، کوئی قدامت کو تنزلی کا سبب بتاتا ہے، کوئی اس کا بنیادی سبب علوم عصریہ سے غفلت کو قرار دیتا ہے، کوئی مغربی تہذیب سے دوری کو باعث پسماندگی گردانتا ہے، جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، ہماری پسماندگی اور تنزلی کی بنیادی وجہ دینی تعلیم سے دوری ہے، کیوں کہ دینی علم کے بغیر ایمان میں صلاحیت اور عمل میں صالحیت پیدا نہیں ہو سکتی حالاں کہ یہی صلاحیت و صالحیت مسلمانوں کی ترقی کا راز ہیں۔ چوں کہ مدارس اسلامیہ اسی کا درس دیتے ہیں اس لیے ان کی حفاظت آج کے پر فتن دور میں بہت ضروری ہے۔ حفاظت کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کو وہاں داخلہ دلائیں، ان کی مالی مدد کریں اور ان کے لیے دعائیں کریں۔

اسلامک اسکول کا قیام

ہندوستان میں موجود عصری علوم کے اکثر ادارے اس اعتبار سے مفلوج ہیں کہ وہاں ایک مسلمان اپنے دین و ایمان کی حفاظت نہیں کر سکتا، وہاں کا پورا اسسٹم غیر مسلمانوں اور عیسائیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے چنانچہ بعض اسکولوں میں داخل ہوتے ہی سامنے رکھی ہوئی مورتی پر بچوں کی نظر پڑتی ہے، دفاتر میں مختلف بھگوان کی تصویریں لٹکی ہوئی ہوتی ہیں، اگر ادارہ عیسائیوں کے تعاون سے چلتا ہو تو وہاں حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے نظر آئیں گے، علاوہ ازیں وہاں نصابی کتابوں میں ایک کتاب بھی ایسی نہیں ہوتی جس میں اخلاق و تہذیب کا درس موجود ہو، ایسے حالات میں اسلامی اسکولوں کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔

راقم نے ایک جگہ پڑوسی ملک کے بارے میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ

''ایک مسلم ملک کے عوام کا اسلامی تعلیمات و احکام سے اس قدر بے زار ہو جانا صرف اس وجہ سے ہے کہ ہمارے ملک کا نظامِ تعلیم غیر اسلامی ذہنوں کے ماتحت ہے، جب تک اسکولوں اور کالجوں کو اسلامیا نہیں جائے گا یہی صورت حال رہے گی''۔

اس لیے اپنے ملک میں مدارس اور مکاتب کو نہ بند کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی انھیں عصریات کا مرکز بنانے کی حاجت ہے، بلکہ ان اداروں کی بقاء کے ساتھ مستقل اسلامی ادارے قائم کرنے کی ضرورت ہے، جس کی باگ ڈور مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو، ایسے اداروں کی سخت ضرورت ہے جہاں بچے اور بچیوں کو ایسی تعلیم دی جائے جو فطرت سے متصادم نہ ہو، جسمانی تربیت کے ساتھ ایمانی تربیت کا نظم ہو، اس اسکول میں عصری علوم کے ساتھ دینیات کی تعلیم کا نظم ہو، تاکہ مسلمان بچے ڈگری ہولڈر کے ساتھ صاحبِ ایمان بھی ہوں، قرآن پڑھنا جانتے ہوں، نماز کے پابند ہوں اور زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کا پرچم لہرانے والے ہوں۔

آج کے اسکول کالج کی تعلیم ''اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ'' کا مصداق ہے، مسلمانوں کو بہت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ نیز اپنے نونہالوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے دامے درمے سخنے ہر اعتبار سے تیار رہنے کی فکر لے کر اٹھ کھڑا ہونا پہلے سے زیادہ ضروری معلوم ہوتا ہے، حالات بہت سنگین ہیں، سنگینی کو محسوس کیا جائے۔ بقول مولانا علی میاں ندویؒ کے:

> آئندہ ہماری نسلیں جب ہی مسلمان رہ سکتی ہیں، جب ان کی اپنی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، .... دین حوادث و انقلاب کے اس دور میں بغیر صحیح تعلیم اور مستحکم تربیت کے باقی نہیں رہ سکتا۔

خود غرضی کی مذمت

نبی کریم کا ارشاد ہے کہ تین چیزیں انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں۔

(۱) ایسی حرص اور خود غرضی جس کی خاطر انسان ہر گناہ میں مبتلا ہونے کو تیار ہو جاتا ہے ''شح مطاع''

(۲) خواہش پرستی (۳) خود پسندی و خودستائی جو انسان کو غرور اور اتراہٹ میں ڈال دیتی ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اپنے آپ کو حرص اور خود غرضی سے دور رکھا کرو، ''ایاکم و الشح'' اس لیے کہ پچھلی امت خود غرضی کی بنا پر ہلاک ہو چکی ہے، اگر خود غرضی نے انہیں ظلم پر آمادہ کیا تو ظلم کر بیٹھتے اور ان کو رشتہ ناتا توڑنے پر آمادہ کیا تو رشتہ ناتا توڑ دیتے، اور اگر ان کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کیا تو جھوٹ بولتے۔

(انوار نبوت بحوالہ مسند احمد ۲/ ۱۹۱)

تبرکاتِ اکابر

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

فرمایا: کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گُننا چاہئے، دو شخص تھے ایک تو ہدایہ کے حافظ تھے اور ایک صرف عالم تھے، ان عالم صاحب نے مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ ہدایہ میں ہے، حافظ ہدایہ کو بھروسہ تھا کہ ہدایہ میں تو کہیں بھی نہیں ہے اور کہا کہ لاؤ ہدایہ، عالم صاحب نے ایک عبارت نکالی جس سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا تھا، حافظ ہدایہ رونے لگے اور کہا کہ ہمارا حفظ کیا ہوا کچھ کام نہیں آیا، ایک شخص پڑھا ہوا ہو اور ایک گُنا ہوا ہو دونوں میں بڑا فرق ہے، اور گُننا صحبت سے آتا ہے۔

فرمایا: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ایک بزرگ کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ جب کوئی طالب علم ان کے پاس آتا تو اس کو مہمان کرتے اور کھانا ایک خوراک سے ذرا زائد بھیجتے پھر جو کھانا بچ کر جاتا اس کو دیکھتے کہ سب چیزیں تناسب کے ساتھ بچی ہیں یا نہیں، مثلاً: ایک روٹی بچی تو سالن بھی ایک ہی روٹی کے قابل بچا ہے یا کم زیادہ، اگر تناسب کے ساتھ نہیں بچا تو اس کو بیعت نہ کرتے اور کہتے کہ تمہاری طبیعت میں انتظام نہیں تم سے کام کرنے کی کچھ امید نہیں۔

لوگ اہل اللہ کو بیوقوف اور بے حس سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دماغ بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

فرمایا : ایک انگریز نے علی گڈھ میں باجماعت نماز ہوتے ہوئے دیکھی تو کہا یہ ہے ''اصول مساوات'' کہ ادنی اور اعلی میں کچھ تفریق نہیں، سب ایک حالت میں ہیں اور ایک امام کے حکم میں ہیں، اس سے مذہب اسلام کا صدق ثابت ہوتا ہے۔

فرمایا: کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اچھے عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کے علامت ہے، بعض اوقات اعمال صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔

ذکر ہوا: کہ کیا ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کو مشائخ نے اجازت بیعت کرنے کی دیدی حالانکہ وہ کامل نہ ہوئے تھے؟، فرمایا: ہاں! ایسا ہوتا ہے۔

خلافت کے بارے میں فرمایا کہ میں دو باتیں دیکھ لیتا ہوں، ایک مناسبت تامہ، دوسرے یہ کہ اس کو دھن لگی ہوئی ہو، اور کمال میرے نزدیک یہی ہے، میں نے جس کسی کو اجازت دی ہے بے ساختہ کہتا ہوں کہ خوب ان کو دو باتوں میں دیکھ لیا ہے، میں جلدی نہیں کرتا جب تقاضۂ غیبی قلب میں آتا ہے تب اجازت دیتا ہوں۔

فرمایا: حضرت حاجی صاحبؒ سورۂ یسین تہجد میں پڑھنے کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یسین قلب قرآن ہے اور تہجد قلب لیل میں ہوتا ہے اور اس وقت قلب مصلی (نمازی) بھی حاضر ہوتا ہے، اور مثل مشہور ہے: ’’دو دل ایک شود بشکند کوہ را‘‘ (دو دل ایک ہوجائیں تو پہاڑ کو توڑ دیتے ہیں) یہاں تو تین قلب مجتمع ہیں۔

ایک سفر میں اسٹیشن پر ترازو کو دیکھ کر فرمایا: ترازو، باٹ اور حساب کتاب اللہ کی کیسی نعمت ہے عدل (انصاف) کے لئے یہ آلات ہیں اور عدل دنیا کے قیام کا موقوف علیہ ہے، اداء حقوق بلا ان کے ہو ہی نہیں سکتا، اداء حقوق مہتم بالشان چیز ہے، حقوق کو لکھ کر رکھنا چاہئے جس کا ایک پیسہ بھی واجب ہو فوراً لکھ لینا چاہئے میں نے تو اپنے یہاں بہت سی تھیلیاں بنا رکھی ہیں، ہر مد کی تھیلی علیحدہ ہے جو کچھ دیا لیا فوراً لکھ لیا۔

فرمایا: آج کل خیریت ہے تو سلف کی اتباع میں ہی ہے اور رائے کو دخل دینے میں مفاسد ہی مفاسد ہیں تجربہ ہے کہ اتباع سے نکل کر آدمی بڑی دور پہنچتا ہے حتی کہ بعض اوقات اسلام سے نکل جاتا ہے۔

فرمایا: جو لوگ اہلِ حق کو ’’سبّ وشتم‘‘ کرتے ہیں ان کے چہروں پر نورِ علم نہیں پایا جاتا، بلکہ خالص کفار اتنے محسوخ نہیں پائے جاتے جتنے یہ لوگ ہیں، اس کی وجہ میں میں نے بطورِ لطیفہ کہا تھا کہ کفر مخل باطن ہے اس کا اثر چھپا ہوا رہتا ہے، اور سبّ وشتم مخل ظاہر ہے اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

۷۸۶ کی شرعی حیثیت:

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ ہیں اس لئے مسلمانوں کے معاشرہ میں اس عدد کو مقدس اور متبرک سمجھا جاتا ہے اور مختلف مواقع پر حصول برکت کی نیت سے اس عدد کو استعمال کیا جاتا ہے، حتی کہ بعض لوگ گاڑی، فون وغیرہ کے ان نمبرات کے حصول کے لئے جو اس عدد پر مشتمل ہوں معقول رقم صرف کر دیتے ہیں۔

ازروئے شرع اس عدد کا متبرک ہونا قرآن وسنت کی کسی نص سے ثابت نہیں ہے، نیز یہ عدد جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ہے ایسے ہی دیگر کلمات کا بھی ہوسکتا ہے اس لئے ازروئے عقل بھی یہ بات بعید ہے کہ اس عدد میں کوئی برکت وتقدس پنہاں ہو، اس عدد کے غیر متبرک ہونے ہی کی وجہ سے حضرات اکابرؒ نے ایسے مواقع پر جہاں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لکھنے سے اس کی توہین وبے وقعتی کا امکان ہو وہاں اس عدد کے لکھنے کی اجازت دی ہے، تاکہ اگر توہین وبے وقعتی ہو تو اس غیر متبرک عدد کی ہو اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے متبرک کلمات اس توہین وبے وقعتی سے محفوظ رہیں، اس لئے اس عدد کو متبرک سمجھنا بھی بے اصل ہے اور ان کے حصول کے لئے کوئی اضافی رقم خرچ کرنا بھی غیر معقول ہے۔ (ملاحظہ ہو"فتاویٰ نظامیہ اندوریہ ۱/ ۳۹۵)

خودکار مشین میں کپڑوں کی دھلائی اور پاکی کا حکم:

ناپاک کپڑوں کی دھلائی کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں تین مرتبہ دھویا جائے اور ہر مرتبہ نچوڑا بھی جائے، اور اس دھونے ونچوڑنے کا کوئی مخصوص ومتعین طریقہ نہیں ہے، جس طرح بھی ان کا تحقق ہوجائے معتبر ہوگا، مذکورہ قسم کی مشینوں میں اس دھونے اور نچوڑنے کا تحقق ہوجاتا ہے، چنانچہ یہ مشین ازخود تین مرتبہ پانی لے کر کپڑوں کو کنگھالتی ہے اور تین ہی مرتبہ ان کے پانی کو جذب کر کے نچوڑنے جیسا کر دیتی ہے، لہٰذا اس میں دھوئے گئے کپڑے بلاشک وشبہ پاک ہوجائیں گے، البتہ اسمیں یہ بھی آپشن ہوتا ہے کہ مشین تین مرتبہ سے

کم کنگھالے اور نچوڑے، اس صورت میں ناپاک کپڑے پاک نہیں ہونگے، ان کی پاکی کے لئے تین مرتبہ والے آپشن کا استعمال لازمی ہے: **ویطهر الغسيل في الغسالة الآلية بغمره الماء، فإن هذه الغسالات يتكرر فيها صب الماء ويعصر بها الثوب بسرعة الدوران۔** (الفقہ الاسلامی وادلتہ،۱/۲۲۸)

زندگی میں اولاد کے مابین تقسیم جائیداد کا حکم:

شریعت نے والد کے ذمہ اولاد کا نفقہ لازم کیا ہے، جس کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں، مگر اپنی کل یا بعض جائیداد اولاد کے مابین تقسیم کرنے کا حکم شریعت نے نہیں دیا ہے، لہٰذا اپنی زندگی میں اولاد کے مابین اپنی جائیداد تقسیم کرنا ازروئے شرع لازم نہیں ہے، نیز نہ اولاد کو اس طرح کے کسی مطالبہ کا حق ہے، اگر اولاد والدین کو اس پر مجبور کرتی ہے تو یہ ان پر زیادتی اور تعدی شمار ہوگی۔

البتہ اگر کوئی اپنے طور پر ایسا کرنے کا خواہشمند ہو تو یہ ممنوع بھی نہیں ہے، لہذا اگر کوئی ایسا کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ کہ: کم از کم اپنی متوقع ضرورتوں کے بقدر مال وجائیداد اپنی ملک میں برقرار رکھے، اسی طرح اگر بیوی بھی ہو تو چونکہ اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے اس لئے اس کی بھی متوقع ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ مال اپنے پاس روک لیا جائے، اس کے علاوہ جو مال وجائیداد بچے اس میں سے جتنا چاہے اولاد کے مابین تقسیم کردیا جائے، جس میں دو باتوں کا خیال لازمی ہے:

(الف) لڑکے ولڑکیاں سب کو برابر دیا جائے، نہ لڑکی کو لڑکے کی بنسبت کم دیا جائے اور نہ کسی لڑکے کو دوسرے لڑکے کے مقابلہ بلا معقول وجہ کے زیادہ دیا جائے، البتہ کسی لڑکے ولڑکی کو اس کی خدمت یا ضرورت کے پیش نظر زیادہ دیا جاسکتا ہے، اسی طرح جو لڑکا یا لڑکی نافرمان ہوں ان کو زندگی میں دینے سے محروم بھی رکھا جاسکتا ہے۔

(ب) ہر لڑکے ولڑکی کو جو ان کے حصہ میں آیا ہے تقسیم کرکے الگ الگ ان کے حوالہ کیا جائے، اگر صرف زبانی ہر ایک کا حصہ طے کیا گیا تو یہ دینا کالعدم ہوگا، اسی طرح اگر مشترک طور پر بچوں کو مال وجائیداد حوالہ کیا گیا تو یہ بھی غیر معتبر ہوگا، اور پھر ایسی صورت میں انتقال کے بعد حسب ضابطۂ میراث ازسرنو تقسیم عمل میں آئے گی (کذا فی کتب الفقہ وفتاوی الاکابر رحمہم اللہ)

اخبارِ مظاہر

مجلس شوریٰ و مجلس تعلیمی کے اجلاس اور اس میں منظور شدہ تجاویز

ترتیب : عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مؤرخہ ۳؍محرم ۱۴۴۴ھ/ ۲؍اگست ۲۰۲۲ء مظاہر علوم کی شوریٰ کا اجلاس حضرت الحاج حکیم کلیم اللہ علی گڑھی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مولانا محمد عارف ابراہیمی نائب صدر مجلس شوری، مولانا مفتی محمد معصوم ثاقب رائے چوٹی، مولانا عبدالقوی حیدرآبادی، مولانا روح الحق ترچی، مولانا غلام محمد وستانوی مہاراشٹر، مولانا مفتی سبیل احمد چینئی، جناب غلام رافع خاں شروانی علی گڑھ، جناب الحاج ابراہیم منیار سورت، مولانا سید محمد شاہد الحسنی سکریٹری مظاہر علوم اور مولانا محمد عاقل سہارنپوری بحیثیت ناظم شریک ہوئے۔

سب سے پہلے مجلس شوریٰ کے اہم رکن، روحانی شخصیت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری کے حادثۂ وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کرکے تعزیتی خط حضرت مرحوم کے لواحقین کو بھیجا گیا، اس کے بعد مجلس تعلیمی کے دو اجلاس کی تجاویز کی سماعت ہوکر ان کی توثیق وتصدیق کی گئی۔

سال ۱۴۴۴ھ کے لئے سالانہ بجٹ پیش ہوکر اس کو منظوری دی گئی، مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے ترتیب فتاوی کی تجویز پیش کرکے اس کی اہمیت بتلائی، چنانچہ شعبۂ ترتیب فتاوی کے قیام کی منظوری دی گئی، نیز فتاوی مرتب کئے جانے کا ایک پورا نظم بنائے جانے کی منظوری بھی دی گئی، اسی طرح قضاء وافتاء کی تعلیم وتربیت کے لئے بھی حضرت مولانا سید محمد شاہد نے اپنے ایجنڈہ میں ایک جدید شعبہ قائم کرنے کی ضرورت ظاہر کی، مجلس شوریٰ نے عامۃ المسلمین کی دینی، شرعی اور قانونی ضروریات کے پیش نظر اس کے قیام کی بھی منظوری دی اور یہ طے کیا کہ مجلس تعلیمی اس کے رہنما اصول وخطوط متعین کرے تاکہ علوم اسلامیہ کے طلبہ میں افتاء کے ساتھ ساتھ قضاء کی صلاحیت بھی پیدا ہوجائے۔

اتفاق رائے سے مولانا محمد ساجد حسنی کاشفی کو مظاہر علوم کی رکنیتِ شوری کے لئے منتخب کیا گیا۔

مولانا سید محمد صالح نائب ناظم مظاہر علوم نے مکاتب دینیہ کی رپورٹ پیش کی، موصوف نے مکاتب کے

امتحانات میں اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو انعامات دیئے جانے کی سفارش کی تھی، مولانا غلام محمد وستانوی نے اس پر یہ اضافہ کیا کہ مکاتب دینیہ کے طلبہ کے درمیان مسابقاتی پروگرام بھی رکھے جائیں کہ اس سے بھی طلبہ میں شوق اور رغبت بڑھتی ہے، مجلس شوری نے دونوں چیزوں کو منظور کیا۔

مظاہر علوم کے خلاف چلنے والے چھوٹے بڑے تقریباً ۱۵؍عدالتی مقدمات کے سلسلہ میں طے ہوا کہ کسی بھی ردّ عمل کی کارروائی سے احتراز کیا جائے اور مصالحت کا کوئی راستہ نکل سکتا ہو تو ضرور نکالا جائے اور آئندہ کی حکمتِ عملی طے کرنے کے لئے مجلسِ شوریٰ فیصلہ کرے گی۔

متعدد نئے شعبے قائم ہونے کی وجہ سے جدید تعمیرات کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، اس سلسلہ میں مولانا سید محمد شاہد الحسنی کی جانب سے پیش کردہ جدید تعمیری نقشہ دیکھا گیا، نیز آرکٹیکٹ کی طرف سے اس کا مجوزہ بجٹ بھی دیکھا گیا، اس کو منظور کرتے ہوئے مولانا غلام محمد وستانوی، مولانا مفتی معصوم ثاقب، جناب ابراہیم منیار، اور مولانا مفتی سبیل احمد پر مشتمل چار نفری کمیٹی اس تعمیری پروگرام کی تکمیل کے لئے بنائی گئی۔

مجلس تعلیمی کی منظور شدہ تجاویز

مولانا مفتی معصوم ثاقب کی زیر صدارت منعقد ہونے والے اس اجلاس میں ذیل کی تجاویز منظور کی گئیں۔

مجلس تعلیمی نے طے کیا کہ شعبۂ قضاء کا نصاب مستقلاً ایک سال کا ہوگا اور اس شعبہ میں وہی طلبہ داخلہ لے سکیں گے جنھوں نے افتاء کا نصاب پورا کرلیا ہو، یہ بھی طے کیا گیا کہ تکمیلات کے دو اساتذہ کو اس کی تعلیم کے لئے منتخب کیا جائے اور باقاعدہ قضاء کی تربیت کے لئے ان کو مخصوص کرلیا جائے، مولانا مفتی معصوم ثاقب کو مجاز بنایا گیا کہ وہ امارتِ شرعیہ بہار کے علماء سے اس سلسلہ میں رابطہ قائم فرمائیں، نیز اس اجلاس میں شعبۂ مطالعۂ شامی کے قیام کا بھی فیصلہ کیا گیا اور طے ہوا کہ مولانا سید محمد شاہد الحسنی اس کے خدوخال اور طریقۂ کار مرتب کرکے اگلی مجلس تعلیمی میں اس کو رکھیں۔

مدرسہ کے نائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح نے متعدد تجاویز پر مشتمل ایک تحریر مجلس تعلیمی میں پیش کی، جس میں انھوں نے عام طلبہ اور تکمیلات کے طلبہ کے ماہانہ وظائف میں اضافے کی تجویز پیش کی تھی، مجلس تعلیمی نے مفتی صاحب کے مشورہ کے مطابق شعبۂ افتاء کے طلبہ کا عمومی وظیفہ بڑھا کر فی نفر سات سو روپئے کردیا، اسی طرح طلبہ کے عمومی وظیفہ میں ایک سو روپئے کا اضافہ بھی منظور کیا گیا، نیز مختلف درجات کے سات اساتذہ کرام کو گریڈ کے اعتبار سے ترقی دی گئی۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM
SAHARANPUR





Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA | PH. 0132-2655542 | E-Mail: jamiamazahir@gmail.com